اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | جمادی الاول ۱۴۴۴ھ | دسمبر ۲۰۲۲ء | شمارہ ۱۲

اَسرار العبادۃ

(عبادت کے اسرار) قسط دوم

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے زرسالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ) لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ (رجسٹرڈ)
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

اسرار العبادۃ

(عبادت کے اسرار) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے وعظ میں مذکور آیت پر تین وعظ ارشاد فرمائے پہلا العبادہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ حکیم عبدالرحیم صاحب کے گھر ترب بازار حیدر آباد دکن میں جس میں سامعین کی تعداد ۱۰۰ تھی علاوہ عورتوں کے یہ وعظ دارالعلوم الاسلامیہ سے مئی ۲۰۰۷ میں طبع ہوا۔ دوسرا وعظ اسی آیت پر آثار العبادۃ کے نام سے ۲۷ ذی الحج ۱۳۴۱ھ بروز شنبہ بعد نماز عشاء مدرسہ نظامیہ شبلی گنج حیدر آباد دکن کرسی پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا سامعین کا مجمع ۴۰۰۰ تھا دارالعلوم الاسلامیہ سے یہ وعظ مارچ/اپریل ۲۰۱۷ء میں طبع ہوا اور تیسرا وعظ یہ اسرار العبادۃ ہے۔ یہ تینوں وعظ عبدالحلیم صاحب نے قلم بند کئے اور حاجی محمد یوسف صاحب نے ان کی معاونت کی اسرار عبادت کے متعلق یہ وعظ مدرسہ انوار العلوم نام پلی حیدر آباد دکن میں بروز شنبہ بعد فجر مورخہ ۱۴ محرم ۱۳۴۲ھ کو کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا جو سوا چار گھنٹے میں ختم ہوا۔ حاضرین کی تعداد تین ہزار تھی۔

تینوں مواعظ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں عبادت کے تمام پہلوؤں پر کلام فرمایا اللہ تعالیٰ قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (جبریہ کا انجام) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (حقیقی مالک اللہ ہے) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۲۵ ذیعقدہ ۱۴۴۳ھ/ ۲۵ جون ۲۰۲۲ء

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	حقیقی مالک اللہ ہے	۷
۲	حق تعالیٰ کے حقوق	۷
۳	احمق ملازم	۸
۴	ہمارا طرزِ عمل	۹
۵	کمالِ ایمان کا معیار	۱۰
۶	حق تعظیم	۱۰
۷	حلِ اشکال	۱۱
۸	صوفی اور صافی کا فرق	۱۱
۹	حاجی صاحب کی احتیاط	۱۲
۱۰	جاہل صوفیوں کا حال	۱۳
۱۱	کراہت کی قسمیں	۱۳
۱۲	صاحب کمال کی شناخت	۱۴
۱۳	کمالِ تقویٰ	۱۵
۱۴	عشق کی حقیقت	۱۵
۱۵	دیکھنے کی اقسام	۱۷
۱۶	دیدارِ خداوندی کا طریقہ	۱۸
۱۷	مجاہدہ نفس کا اثر	۲۰
۱۸	درجات وصول	۲۱
۱۹	روح کی قوت	۲۲
۲۰	مبتدی ومنتہی کی شناخت	۲۳
۲۱	حب اللہ پیدا کرنے کی تدبیر	۲۵
۲۲	اہتمام ذکر اللہ	۲۵
۲۳	وساوس سے بچنے کا طریقہ	۲۶

۲۴.....	نعمتوں کا استحضار.....	۲۶
۲۵.....	دقائق تصوف کے دیکھنے سے احتراز.....	۲۶
۲۶.....	نفس پرستوں کا وسوسہ.....	۲۷
۲۷.....	اہل اللہ کی حالت.....	۲۸
۲۸.....	اہل اللہ کا پلاؤ قورمہ.....	۲۹
۲۹.....	اہل اللہ کا حال.....	۳۰
۳۰.....	منطقیوں کے اشکالات اور ان کے جواب.....	۳۱
۳۱.....	منکرین کی حالت.....	۳۲
۳۲.....	حسن ربانی.....	۳۳
۳۳.....	خوبیٔ مخلوق مظہر صفاتِ رب ہے.....	۳۴
۳۴.....	مشاہدہ حق کے مختلف پہلو.....	۳۵
۳۵.....	امالہ کی ضرورت.....	۳۶
۳۶.....	اہل اللہ سے تعلق.....	۳۷
۳۷.....	حقوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم.....	۳۸
۳۸.....	ہماری حالت.....	۴۰
۳۹.....	محبت کے لیے اطاعت لازمی ہے.....	۴۱
۴۰.....	بعض لوگوں کی کوتاہی.....	۴۲
۴۲.....	عجیب وغریب نکتہ.....	۴۲
۴۲.....	خلفائے راشدین کی فضیلت.....	۴۳
۴۳.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہی سے مقصود.....	۴۴
۴۴.....	سیرت کی صورت.....	۴۴
۴۵.....	شان نبوت کے مظاہر.....	۴۶
۴۶.....	مسئلہ ندا من البعید.....	۴۷
۴۷.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے کی چند جائز صورتیں.....	۴۸
۴۸.....	اخبار الجامعہ.....	۵۰

حقیقی مالک اللہ ہے

غرض حق تعالیٰ نے براہ راست بعض اشیاء کو ہمارے نامزد کردیا ہے مگر اس کے آثار یہ نہ ہونا چاہئیں کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کو اپنی کہنے لگو، ہاں دوسرے کے مقابلے میں اسے کہنے کی اجازت ہے۔ پس اگر خدا پوچھے کہ یہ اَنگڑ کھا (۱) کس کا ہے تو کہئے آپ کا اور اگر کوئی آدمی پوچھے کہ کس کا ہے تو کہئے ہمارا کیونکہ اگر آپ اس آدمی سے بھی یہی کہیں گے کہ آپ کا ہے تو وہ اتار لے گا۔ خلاصہ یہ کہ جب سب انہیں کا ہے تو انہیں کے آلات لے کے انہیں کی نافرمانی کرنا بڑے غضب کی بات ہے۔

دیکھئے اگر کوئی نوکر بچہ سا اور کمزور اور بیمار ہمارے پاس آیا ہو اور ہم نے اسے کھلا پلا کے اور علاج کرا کے تندرست اور توانا اور بڑا کیا اور پھر تلوار بندوق بھی دی۔ اب وہ اسی تلوار بندوق سے ہمارا مقابلہ کرنے کو تیار ہوجاوے تو اس سے یہی کہا جاوے گا کہ میاں ہماری تلوار بندوق رکھ دو اور اپنے گھر سے ہتھیار لاؤ مقابلہ کے لیے۔ اسی طرح اگر خدا کی نافرمانی کرنا ہے تو خدا کی چیزیں واپس کردو اور اپنے گھر سے لاؤ مگر جب لانا چاہو گے اس وقت یہی کہنا پڑے گا۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیزے تست (۲)

تو جس طرح آپ کو اس نوکر کی نافرمانی ناگوار ہے اسی طرح خدا کو آپ کی نافرمانی ناگوار ہے۔ بڑے غضب کی بات ہے کہ جس کا کھاویں، اسی پر غراویں۔

حق تعالیٰ کے حقوق

اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ غلامی کی جو حقیقت سمجھے گا پھر ممکن نہیں کہ اس کے حقوق ادا نہ کرے اور حقیقت اس کی اوپر معلوم ہوچکی ہے تو اس کے حقوق بھی ادا کرنا لازم ہوگا اور ادائے حقوق کے لیے علم حقوق شرط ہے اس لیے ضرورت ہوگی حقوق معلوم کرنے کی۔ اب ان کو اجمالاً عرض کرتا ہوں۔

---

(۱) اچکن کی طرز کا ایک برکا لباس جسے گھنڈی کے ذریعے گلے کے پاس جوڑ دیتے ہیں (۲) ''میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا، یہ سب آپ کا دیا ہوا ہے، میری کیا حقیقت ہے''۔

تو سمجھنا چاہیے کہ وہ تین حق ہیں ان میں سے ایک تو اطاعت ہے مگر اطاعت کے وہ معنی نہیں جو محض اہل قشر ظاہر پرست سمجھتے ہیں یعنی محض ضابطہ کی اطاعت بلکہ حقیقی اطاعت ہونا چاہیے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ نوکر دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو یورپین مذاق کا ہے کہ کھانا پکا دیا اور چل دیا۔ اگر آقا نے کبھی کہا بھی کہ بھئی ذرا پنکھا جھل دو، کہا صاحب میرے فرائض میں نہیں ہے اور ایک نوکر ایشیائی مذاق کا ہے کہ کھانا بھی پکا دیا اور کھلا بھی دیا اور پنکھا بھی جھل رہا ہے اور اس سے فارغ ہو کے بیٹھ گیا، آقا کے پاؤں دبانے لگا، آپ کہتے بھی ہیں کہ بس بھائی جاؤ یہ کام تمہارے ذمہ نہیں ہے مگر وہ کہتا ہے نہیں گو ذمہ نہ ہو مگر مجھے تو آپ کی خدمت سے راحت ہوتی ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ آپ زیادہ کس نوکر کی قدر کریں گے۔

اسی طرح خدا کے بندے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے وقت پر اطاعت کر لی پھر کچھ بھی مطلب نہیں رہا، خدا سے محبت ہے نہ ادب ہے۔ کوئی گناہ صغیرہ ہو گیا تو کہتے ہیں یہ تو صغیرہ ہے اور نماز و روزہ کے بعد چلتے پھرتے نظر آئے، نہ خدا کی یاد ہے نہ اشتیاق ہے۔ یہ ویسی اطاعت ہے جیسے یورپین مذاق کے نوکر آپ کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ آپ اس نوکر سے منقبض کیوں ہوتے ہیں جو کھانا پکا کر چل دیتا اور تھوڑی دیر پنکھا بھی نہیں جھلتا، اسی لیے تو اتنے احسانات کے بعد بھی تجھے قلبی تعلق نہیں ہوا کہ ٹکا سا جواب دیدیا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے نوکر سے دو حق کے طالب ہیں۔ ایک خدمت دوسرا تعلق قلبی۔ تو کیا خدا کا حق اتنا بھی آپ پر نہیں جتنا آپ اپنا حق نوکر پر سمجھتے ہیں۔

احمق ملازم

ایک اور ضابطہ ہی کا نوکر تھا جو کام تو سب کرتا تھا مگر وہی جو بتلا دیا اور وہ بھی بالکل بے فکری سے۔ اس لیے اکثر کام رہ بھی جاتے۔ ایک بار مالک زیادہ ناخوش ہوا کہ تو نے یہ نہیں کیا وہ نہیں کیا، تو اس نے کہا صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کون کون سے کام میرے ذمہ ہیں۔ آپ مجھے سب کاموں کی ایک فہرست لکھ کر دے دیجئے۔ چنانچہ آقا

نے فہرست لکھ کر حوالے کر دی۔ اتفاق سے کہیں سفر کا موقع ہوا۔ آقا گھوڑے پر سوار آگے آگے تھے اور نوکر صاحب پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ آقا کے کندھے پر سے دوشالہ کھسک کر زمین پر جا گرا، تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھا تو ندارد، نوکر سے پوچھا ارے تو نے نہیں دیکھا، اس نے کہا وہ تو بہت دور پیچھے گر گیا، کہا اٹھایا کیوں نہیں، کہا فہرست میں کہاں لکھا ہے کہ دوشالہ گرے تو اٹھا لینا۔ آقا نے کہا اچھا لا اب لکھ دوں۔ اب یہ سوچا کہ جس چیز کا نام لکھ دوں گا یہ وہی اٹھائے گا اس لیے فہرست میں یہ لکھ دیا کہ اگر کوئی چیز گر جاوے اسے اٹھا لیا کرو۔ اب جو منزل پر پہنچے تو نوکر صاحب نے ایک پوٹ کا پوٹ لا کے سامنے رکھ دیا، پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگا دیکھ لیجئے کھولا تو لید[۱]، ارے یہ کیا حرکت ہے کہنے لگا آپ ہی نے تو حکم دیا تھا کہ جو چیز گر جائے اٹھا لینا، سو میں نے اس کو بھی اٹھا لیا، تو ضابطہ کے نوکر ایسے ہوتے ہیں۔

ہمارا طرز عمل

یہی معاملہ ہمارا ہے خدا کے ساتھ، تو کیا خدا کے ساتھ ہمارا بس ایسا ہی تعلق ہے جیسے ایک ڈپٹی کلکٹر جو بخل میں مشہور تھے کہتے تھے کہ جب خدا نے حقوق مالیہ کی فہرست بتا دی ہے تو یہ غلو ہے کہ اس سے زیادہ کا اہتمام کریں۔ اس لیے وہ زکوٰۃ سے ایک پیسہ زیادہ نہ دیتے تھے حالانکہ ایسے ذہین لوگوں کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ: ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ ثم تلی لیس البر ان تولوا وجوھکم[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استدلال کیا کیونکہ اس میں

وَءَاتَى ٱلْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ وَٱبْنَ ٱلسَّبِيلِ وَٱلسَّآئِلِينَ وَفِى ٱلرِّقَابِ [۳]

اوّل فرمایا ہے اس کے بعد ''اقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ'' یعنی انفاق کا ایک مرتبہ تو

(۱) گھوڑے کا پخانہ تھا (۲) ''تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے'' سنن الترمذی: ۶۵۹، ۶۶۰ (۳) ''اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے والوں کو'' سورۃ البقرۃ: ۱۷۷

یہ فرمایا کہ مال دیا قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو۔ پھر دوسرا عمل یہ فرمایا کہ زکوٰۃ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال دینے سے اور مراد ہے اور زکوٰۃ دینے سے اور۔ اس کو سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان فی المال لحقلسوی الزکوٰۃ'' اس لیے ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ جن کاموں کو ضابطہ میں اور فہرست میں لکھ دیا ہو ان کو بھی چھوڑ دیں بلکہ ان کو تو سب سے پہلے کرنا چاہیے۔

کمالِ ایمان کا معیار

چنانچہ حق تعالیٰ سے محبت کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا یہ تو ضابطہ ہی میں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں تک فرماتے ہیں:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من ماله ووالده والناس اجمعین (۱) اور فرماتے ہیں: من کان اللّٰہ ورسولہ احب الیہ سواھما (۲) یعنی جب تک میں ہر ایک کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، مال سے بھی اور اولاد سے بھی اور تمام لوگوں سے بھی اس وقت تک تم میں کوئی مومن نہ ہوگا اور ایسا ہی درجہ محبت کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی۔ تو نری محبت بھی کافی نہ ہوئی بلکہ سب محبتوں سے بڑھ کر محبت فرض ہوئی۔ اب بتلایئے محبت فرض ہوگئی یا نہیں۔ یہ دوسرا حق ہے منجملہ تین حقوق کے۔

حق تعظیم

تیسرا حق ادب اور تعظیم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو بھی فرض فرمایا ہے: لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (۳)

(۱) ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے مال اس کے والد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا کیوں نہ ہوجاؤں'' مسند احمد بن حنبل: ۳/۱۷۷ (۲) لم اجدہ فی موسوعۃ اطراف الحدیث ولا مافی معناہ (۳) ''تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو'' سورۃ الفتح: ۹

مرجع ان ضمائر کا واحد ہے۔ الغرض خدا ورسول ﷺ دونوں کا یہ بھی ایک حق فرض ہوا یعنی ادب وتعظیم اور اس مضمون سے تمام حدیثیں بھری ہوئی ہیں بلکہ اگر غور کیجئے تو خود اسی آیت میں بھی ان حقوق کا ذکر ہے کیونکہ اطاعت تو اس کا مرادف ہی ہے۔

اب اس کی حقیقت دیکھو کیا ہے۔ سو اطاعت ماخوذ ہے طوع اور طوع کے معنی ہیں خوشی۔ سو اطاعت کے معنی ہوئے خوشی سے کہنا ماننا اور یہ بالکل یقینی ہے کہ خوشی سے کہنا ماننا بدون محبت وعظمت کے عادتاً ممکن نہیں۔ پس اطاعت کی فرضیت کے ضمن میں محبت اور عظمت بھی فرض ہوگئی۔

حلِ اشکال

اب یہاں معنی اطاعت کے متعلق ایک سوال ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وضو کو پورا کرنا وجود ناگواری کے اعمال فاضلہ میں سے ہے۔ تو جب ناگواری کے ساتھ کیا گیا تو اطاعت نہ ہوئی پھر فضیلت کیسی۔ اسی طرح حدیث ہے ''حفت الجنة بالمكاره'' (یعنی جنت گھیر دی گئی ہے ناگوار چیزوں سے) اعمال شاقہ کو مکارہ فرمایا، تو ان میں رغبت نہ ہوئی اور جب رغبت نہ ہوئی تو اطاعت نہ ہوئی اور اطاعت نہ ہوئی تو جنت کی بشارت کیسے ممکن ہے تو اہل قشر (۱) اس اشکال کو حل نہ کرسکیں گے۔

صوفی اور صافی کا فرق

مگر صوفیاء کرام ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں لیکن کون سے صوفی جو صافی ہیں اور کاہے سے صافی، رذائل باطنہ سے اور صوفیت یہی ہے کیونکہ تصوف کی تعریف ہے تعمیر الظاھر والباطن یعنی آباد کرنا، ظاہر کا اعمال سے اور باطن کا احوال سے اور یہ محض دعوے سے نہیں ہوتا۔ اس کا طریقہ تو یہ ہے۔

(۱) ظاہری معنی پر عمل کرنے والے

صوفی نہ شود صافی تادر نکشد جامی　　بسیار سفر باید تاپختہ شود خامی(۱)

سفر سے مراد مریدوں کے گھر کا سفر نہیں کہ کبھی پونا، کبھی بمبئی، کبھی سورت، کبھی ہندوستان پہنچ گئے۔ پختہ، خبر مقدم ہے اور شود افعال ناقصہ میں سے ہے اور خامی اس کا اسم مؤخر ہے یعنی جو خام ہے اس کے پختہ ہونے کے لیے بہت سفر کی ضرورت ہے اور بمبئی اور پونا کے سفر میں تو اس کے برعکس ہوگا کہ پختگی کی جگہ اور خامی ہوجائے گی۔ تو سفر سے مراد سفر سلوک ہے جس میں مختلف درجات ومراتب طے کرنا پڑتے ہیں۔ تب کہیں وہ صوفی صافی بنتا ہے۔ اس کی تعبیر ایک دوسرے عنوان سے حافظ نے فرمائی ہے۔

شنیدم رہروے در سرزمینے　　ہمیں گفت ایں معمّا باقرینے

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف　　کہ در شیشہ بماند اربعینے(۲)

اربعین سے مراد چلہ ہے۔ یہ ادنیٰ مقدار ہے سلوک کی، اس وقت بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اتنی مدت بھی خالص اس کے لیے صرف کرتے ہوں۔ اب تو تصوف بہت سستا ہوگیا ہے کہ دو پیسے میں آتا ہے۔ ایک پیسہ کی تسبیح لے لی اور ایک کا گیرومنگا کر کپڑے رنگ لیے، بس صوفی بن گئے اور صوفی بھی رجسٹری شدہ کہ کسی حال میں ان کے کمال میں شبہ نہیں ہوتا۔ اگر خاموش رہے تو چپ شاہ کہلائے اور اگر اینڈی بینڈی بولے تو اہل اسرار واہل رموز کہلائے اور اگر ٹھکانے کی کہہ دی تو اہل حقائق اہل معارف بن گئے۔ غرض ہر حال میں انہیں کی جیت ہے۔

ایک ہندو کا قول ہے کہ مسلمان بڑے اچھے رہے، گھٹ گئے تو فقیر، بڑھ گئے تو امیر مرگئے تو پیر، تو صوفی سے مراد ایسا صوفی نہیں بلکہ محقق صوفی اور قرآن وحدیث کا متبع۔

حاجی صاحب کی احتیاط

ہمارے حضرت اس قدر قرآن وحدیث کے متبع تھے کہ باوجود امام فن ہونے

(۱) ''صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے''

(۲) ''اپنے ہم نشین سے کوئی سالک یہ معمہ کہہ رہا تھا کہ شراب تو اس وقت صاف ہوگی جب چالیس دن شیشہ میں رہے''

کے اپنے خدام علماء سے فرمایا کرتے تھے کہ میں جو کہوں اگر وہ قرآن وحدیث پر منطبق ہوتو ماننا ورنہ مجھ کو خود مطلع کرنا اور اگر یہ قید نہ ہوتو یوں تو بہت نکتے بیان کیے جاسکتے ہیں۔کیا وہ سب تصوف ہوجائیں گے۔

جاہل صوفیوں کا حال

جیسے ایک جاہل صوفی نے تفسیر کی تھی ''وَالضُّحٰى ۞ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ''(۱) اس مناسبت سے لیل کے معنی نفس کے لیے اور اذا میں ہمزہ زائد آ گیا ہوگا اور ذا کے معنی یہی کیونکہ اسم اشارہ ہے اور سجا معرب سزا کا۔ایسے ہی ایک بانوا فقیر کی حکایت ہے کہ اس نے کسی سے پوچھا کہ بتلا رزق بڑا یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے۔اس شخص نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بڑے ہیں کہ وہ اشرف المخلوقات ہیں اور رزق مخلوق ہے۔ کہنے لگا، واہ! تو بے پیرا ہے۔ ارے رزق بڑا ہے دیکھ کہ ''اشہد ان محمدا رسول اللہ'' میں ان پہلے آیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچھے آئے، ان کہتے ہیں ہندی میں اناج کو، خیر یہ تو محض جاہلوں کے قصے ہیں، بعضے وہ نکتے ہیں کہ ظاہر میں علمی ہیں مگر شریعت کے خلاف ہونے سے سرمایہ ضلال ہیں۔اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند   از سخنا عالمے را سوختند(۲)

کراہت کی قسمیں

ہاں تو صوفیاء محققین نے اس اشکال منافاۃ کراہت واطاعت کو حل کردیا ہے اور دونوں صحیح تفسیر کردی ہے اور کیا ہی اچھا فیصلہ کیا ہے کہ کراہت دو قسم کی ہے۔ ایک کراہت طبعی ایک کراہت عقلی۔تو اطاعت کے خلاف مطلق کراہت نہیں ہے بلکہ صرف کراہت عقلی ہے اور وضو میں جو ناگواری ہے وہ طبعی ہے اور وہ مضر نہیں کیونکہ شریعت کو رغبت وطوع مطلوب ہے جو وسع میں ہو اور وہ کراہت طبعیہ بوجہ غیر مقدور ہونے کے

(۱) ''اے نفس! تیری یہ سجا(سزا) شاید اس کا ماخذ یہ ہو کہ لیل بھی کالی ہوتی ہے اور نفس بھی کالا ہے'' سورہ الضحیٰ:۱۔۲ (۲) ''بڑے ظالم تھے جنہوں نے آنکھیں بند کرکے ایک عالم کو ویران کردیا''

شریعت کو مطلوب ہی نہیں تو اس کا فقدان یعنی کراہت طبعی مضر بھی نہیں۔

اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً کسی کے دنبل (۱) نکل آیا۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا کہ آپریشن کردو اور بیہوشی کی دوا سنگھانے سے منع کردیا کہ اس سے دماغ کمزور ہوتا ہے۔ اس نے نشتر دیا، اب یہ بڑے زور سے چلایا، اس نے خوب زور سے دبادبا کر مواد نکال کر مرہم لگا کے پٹی باندھ دی۔ اب یہ سنبھل کے بیٹھ گیا اور پچاس روپے اسے انعام دیا۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نشتر سے ناگواری نہ تھی تو آہ کیوں کی تھی اور اگر ناگواری تھی تو انعام کیوں دیا۔ اس کا جواب یہی ہے کہ ناگواری تو طبعی تھی اور رغبت عقلی تھی تو اسی طرح حضرات صوفیاء نے بھی اس مسئلہ کو حل کیا ہے کہ کراہت طبعیہ اور رغبت عقلیہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔

صاحب کمال کی شناخت

چنانچہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے انتقال پر روئے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بھی روتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ رحمت کا اثر ہے جو شخص بندوں پر رحمت نہیں کرتا خدا اس پر رحمت نہیں کرتا۔ البتہ زبان سے کچھ کہنا نہیں چاہیے اور بعضے اولیاء متوسطین کے واقعات اس کے خلاف ہیں کہ ان کو لڑکے کے مرنے کی خبر ملی تو وہ ہنس دیئے۔ اب اگر کسی سے دونوں واقع بیان کردیئے جائیں اور یہ نہ بتایا جائے کہ کون کس کا واقعہ ہے اور پوچھا جائے کہ دونوں وقعے والوں میں کون افضل ہے تو وہ تو یہی کہے گا کہ جو نہیں رویا وہ افضل ہے حالانکہ بالکل غلط، باقی یہ کہ اس کا کیا سبب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس واقعہ کا اثر ہوا اور اس متوسط ولی پر نہیں ہوا۔ سو اسے بھی ایک مثال سے سمجھئے۔

آپریشن دو آدمیوں کا ہوا، ایک کو داروئے (۲) بیہوشی سنگھائی گئی اور ایک کو

(۱) پھوڑا (۲) بے ہوش کرنے والی دوا

نہیں سنگھائی گئی کیونکہ جس کا دل زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور وہ قوی وتوانا ہوتا ہے اسے بیہوشی کی دوا نہیں سنگھاتے تو اب جس کو داروئے بیہوشی نہیں سنگھائی گئی تھی اس نے آپریشن کے وقت زور سے آہ کی اور جو بیہوش تھا وہ خاموش رہا۔ اسی طرح متوسطین داروئے بیہوشی سونگھے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ دار ومغلوب الحال ہوتا ہے اور انبیاء اولیاء کاملین کو نہیں سنگھائی جاتی تو اب جس نے لڑکے کے مرنے کی خبر سنی اور وہ نہیں رویا وہ حال میں اتنا مغلوب ہے کہ اسے حس ہی نہیں الم کی (۱) تو اس کا نہ رونا کچھ بھی کمال نہیں۔

کمالِ تقویٰ

جیسے کوئی اندھا کہے کہ میں بڑا متقی ہوں کہ کیسی ہی حسین عورت میرے سامنے سے گزر جائے مگر میں اسے نہیں دیکھتا تو اس کا نہ دیکھنا کیا کمال ہے۔ کمال اس کا ہے جس کی آنکھیں بھی روشن ہیں اور دوربین عینک بھی لگی ہوئی ہے اور اس کے سامنے سے حسین عورت گزرتی ہے اور وہ پروا بھی نہیں کرتا۔ ہاں جس کا اثر بلا اختیار طبعاً اس پر اتنا ہوتا ہے کہ بعض اوقات دل دھڑکنے لگتا ہے اور جو اندھا ہے اس کا دل نہیں دھڑکتا تو اندھا بڑا کامل نہیں ہے کیونکہ اس نے تو دیکھا ہی نہیں، کمال اس کا ہے کہ دل دھڑک رہا ہے اور علاج سکون کا یہی ہے کہ پھر دیکھ لے مگر خدا کے خوف سے نہیں دیکھتا اور کہتا ہے دیکھوں گا تو غیرت خداوندی جوش میں آوے گی اور کہا جاوے گا۔

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی دربیان دعوائے خود صادقی
پس چرا برغیر افگندی نظر ایں بود دعوائے عشق اے بے ہنر (۲)

عشق کی حقیقت

یہاں ایک استطرادی سوال وجواب ہے وہ یہ کہ شاید تم کہو کہ دعوئے عشق ہم نے کب کیا ہے۔ وہ کون سا دعویٰ ہے تو سنئے وہ دعویٰ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱) درد کا احساس ہی نہیں (۲) ''کہا اے بے وقوف اگر تو عاشق ہے اور اپنے دعویٰ عشق میں سچا ہے تو پھر غیر کی طرف کیوں نظر ڈالی۔ اے بے ہنر کیا یہی عشق کا دعویٰ ہے''

اگر کوئی کہے کہ ہم نے کلمہ تو بے شک پڑھا ہے مگر ہم نے یہ تو نہیں کہا کہ ہم عاشق بھی ہیں۔ خبر بھی ہے کہ یہی کہنا دعویٰ ہے عشق کا کیونکہ اس کلمہ سے تم مؤمن ہو گئے اور مؤمن کے لوازم میں سے ہے عشق جس کی دلیل یہ ہے۔ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (۱) تو کلمہ کی ایسی مثال ہوئی کہ کسی نے نکاح کیا۔ اب بیوی نے کہا کہ اناج لاؤ تو کھانا پکے۔ اس نے کہا کہ میں یہ جھگڑا کیا جانوں۔ میں نے تو قبلت سے تجھ کو قبول کیا ہے، اس بکھیڑے کا نہ وہاں ذکر تھا اور نہ میں نے قبول کیا تھا، اب لڑائی شروع ہو گئی اور محلّہ والے جمع ہو گئے تو یہ فیصلہ کرتے ہیں ''ارے قبلت'' (میں نے قبول کیا) میں سب کچھ آ گیا۔

تو بس حضور اسی طرح لا الٰہ الا اللہ میں سب کچھ آ گیا۔ جیسا ابھی مذکور ہوا کہ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ''اور جو مؤمن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سخت قوی محبت ہے'' لوازم ایمان سے ہے اور اشد حبًا کے معنی یہی عاشق کے ہیں کیونکہ شدت حب ہی تو عشق ہے۔ گو خود عشق کا مادہ قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ مگر ایک جاہل صوفی نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ عشق کا مادہ بھی قرآن میں ہے۔ پوچھا گیا کہاں ہے، کہاں قرآن میں ہے، نہیں ''حم عسق'' یہ مادہ عشق ہی کی تعبیر ہے باقی یہ کہ اس میں تو سین ہے اور عشق میں شین ہے۔ تو آپ کہتے ہیں اصل میں تو شین ہی مراد ہے مگر حضور ﷺ چونکہ پڑھے ہوئے تھے نہیں اور اس لیے (نعوذ باللہ) آپ ﷺ سے شین ادا نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے آپ ﷺ کی رعایت سے سین نازل کیا گیا کم بخت سے کوئی پوچھے کہ اگر ایسا ہوتا تو سارے قرآن میں کہیں بھی شین نہ ہوتا۔

بہر حال یہ دعویٰ تو لغو اور بیہودہ ہے کہ عشق کا ذکر قرآن میں ہے۔ محدثین تو احادیث میں بھی اس کے ذکر سے منکر ہیں اور حدیث من عشق فعف میں کلام کرتے ہیں لیکن حقیقت عشق قرآن سے ضرور ثابت ہے۔ چنانچہ اشد حبًا کی تفسیر سے اوپر ثابت کیا گیا ہے۔ بس تو جب آپ عاشق ہو گئے تو اب آپ سے یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ اگر غیر کی طرف التفات کرو گے۔

(۱) ''اور جو مؤمن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سخت قوی محبت ہے'' سورۃ البقرہ: ۱۶۵

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی　　دربیان دعوائے خود صادقی
پس چرا برغیر افگندی نظر　　ایں بود دعوائے عشق اے بے ہنر(۱)

آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ اگر کسی کی بیوی کسی غیر مرد کو تکنے لگے، تو یہ دل چاہے گا کہ تلوار ماردے، حالانکہ یہاں تو یہ بھی عذر بھی ہے کہ شاید یہ شخص زشت منظر ہو اور وجس کو تکتی ہو وہ حسین ہو۔ مگر یہاں تو یہ بھی عذر نہیں چل سکتا کیونکہ خدا سے زیادہ کون حسین ہوگا۔

دیکھنے کی اقسام

اگر کوئی کہے کیا معلوم دیکھا تو ہے ہی نہیں، صاحبو! اگر خدا تعالیٰ کو دیکھا نہیں مگر سنا تو ہے اور عشق کا مدار کچھ دیکھنے ہی پر نہیں ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد(۲)

اس پر بھی اگر کوئی کہے کہ نہیں ہم تو دیکھیں گے تب ہی عاشق ہوں گے، ہمارے اندر سننے کا اثر نہیں ہوتا۔ اچھا بھئی دیکھو مگر کیا دیکھنا آنکھ ہی پر منحصر ہے ہرگز نہیں، اگر کوئی معاملہ پیچیدہ ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ اس کام کو خوب دیکھ بھال کر کے کرو۔ آپ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ میں نے خوب دیکھ بھال لیا، میرے نزدیک بالکل مناسب ہے، اب میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ نے اس معاملہ کو کیوں کر دیکھ لیا، کیا آنکھ سے دیکھ لیا تو ذرا ہمیں بھی تو آنکھوں سے دکھادو۔ اس وقت آپ یہ کہیں گے کہ ہر شے کا دیکھنا جدا ہے کسی کو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور کسی کو دل سے۔ بس اسی طرح خدا بھی دل سے دکھائی دیتا ہے آنکھ سے نہیں دیکھائی دے سکتا۔ اگر کوئی کہے اچھا دل ہی سے دکھادو، سو بے شک تم دل سے دیکھ سکتے ہو، مگر دل پر جو پردہ پڑا ہوا ہے پہلے اسے ہٹادو، پھر حق تعالیٰ سامنے ہی تو ہیں۔ ہمارے ماموں صاحب کا شعر ہے۔

(۱) ''کہا اے بے وقوف اگر تو عاشق ہے اور اپنے دعویٰ عشق میں سچا ہے تو پھر غیر کی طرف کیوں نظر ڈالی۔ اے بے ہنر کیا یہی عشق کا دعویٰ ہے'' (۲) ''محض دیکھنے ہی سے عشق پیدا نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات یہ دولت گفتار سے پیدا ہوتی ہے''

کہ غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گر ی ہوگی یہ ش
یہ شیشہ نہیں خالی دیکھ اس میں پری ہوگی

ان سے چھوٹے ایک ماموں صاحب کا شعر ہے

شد ہفت پردہ برچشم ایں ہفت پردہ چشم　　بے پردہ ورنہ ماہے چوں آفتاب دارم(۱)

اور اس پردہ کے اٹھانے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کو عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں:

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز(۲)

بتلادیا کہ خودی اور انانیت یعنی تکبر یہ حجاب ہے کہ اس کو دور کردو۔ پھر وصال ہی وصال ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

تعلق حجاب ست و بے حاصلی　　چوں پیوندہا بگسلی واصلی(۳)

بس موانع کو اٹھادو، خدا سامنے ہی ہے۔

دیدار خداوندی کا طریقہ

باقی اس پردہ کے اٹھانے کا طریقہ کیا ہے، سو میں ان طرق کو نہیں چھپاتا جن کو صوفیاء چھپاتے ہیں مجھے علی الاعلان کہنے کی بزرگوں سے اجازت ہے اس لیے میں طرق رفع حجب کو ممبر پر بیٹھ کر کہتا ہوں۔ وہ رفع حجاب کا طریق یہ ہے کہ توجہ الی غیر اللہ کو چھوڑ دو، اگر ابتداء میں آپکی بھی نظر حق تعالیٰ پر نہ پڑی تو ان کی تو تم پر پڑے گی۔ بقول کسی عاشق کے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی　　شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی(۴)

اصل میں تو شاہ کی جگہ لفظ ماہ تھا مگر میں نے ادب کی وجہ سے شاہ کردیا۔ پھر آپ کی توجہ اور ان کی نظر سے آپ کے قلب کو خدا تعالیٰ سے ایک خاص تعلق ہوگا۔ بس وہی تعلق دل سے دیکھنا ہے اور یہ کرنے کی بات ہے الفاظ سے سمجھنے کی نہیں ہے۔

---

(۱) ''اس آنکھ کے ساتھ پردوں پر سات پردہ پڑگئے ورنہ میں ایک چاند مثل آفتاب کے رکھتا ہوں''
(۲) ''عاشق ومعشوق کے درمیان کوئی حائل نہیں تیری خودی خود حجاب ہورہی ہے حافظ خود ہی کو درمیان سے اٹھادے'' (۳) ''تعلقات غیر اللہ حجاب اور لاحاصل ہیں جب ان تعلقات کو قطع کرلوگے تو تم واصل ہوگے''
(۴) ''ایک پلک مارنے کی مقدور بھی محبوب حقیقی سے غافل مت ہو، شاید تم پر لطف کی نگاہ کریں اور تم آگاہ نہ ہو''

دیکھو اگر کوئی کابلی پوچھے کہ آم کیسا ہوتا ہے اور آپ کہیں میٹھا ہوتا ہے وہ کہے گا کیسا میٹھا جیسے گڑ۔ آپ کہیں گے نہیں، وہ کہے گا جیسے انگور، انار، سیب، آپ ہر ایک کی نفی کریں گے، وہ کہے گا پھر تعین کے ساتھ بتلاؤ کیسا میٹھا ہوتا ہے، آپ کہیں گے الفاظ سے اس کا مٹھاس بیان نہیں ہوسکتا چکھ کر دیکھ لو اور اگر آپ ہزار کوشش کریں کہ لفظوں سے اس کو آم کی شیرینی سمجھا دیں تو وہ نہ معلوم آم کو کیا سے کیا سمجھے گا۔

جیسے ایک حافظ جی نے جو آنکھوں کے بھی حافظ تھے (یعنی نابینا) کسی شخص سے جس نے کھیر کی دعوت کی تھی، پوچھا کہ کھیر کیسی ہوتی ہے، اس نے کہا سفید سفید ہوتی ہے۔ انہوں نے پوچھا سفید کس کو کہتے ہیں، کہا جیسے بگلا، کہا بگلا کیسا ہوتا ہے، اس نے ہاتھ کو بگلے کی شکل بنا کر پیش کر دیا تو آپ ٹٹول کر کہتے ہیں یہ ٹیڑھی کھیر کیسے گلے سے اترے گی، یہ جو ٹیڑھی کھیر محاورہ میں مشہور ہے اس کی شان ورود[1] یہی ہے۔ تو حافظ جی نے بوسائط یہی سمجھا کہ بگلا جیسا ٹیڑھا ہے کھیر کی شکل بھی یہی ہوگی۔

تو دیکھئے اس نے ذوقی چیز کو لفظوں سے سمجھانا چاہا تو نوبت کہاں پہنچی۔ بتانے والے نے غلطی یہ کی کہ امور حسیہ کو الفاظ میں ادا کیا حالانکہ کھیر کی حقیقت سمجھنے کے لیے چکھنے کی ضرورت تھی۔ اسی طرح یہ بھی کرنے کی بات ہے اور کرنے کا کام خاموشی کے ساتھ کام میں لگنے سے سمجھ میں آتے ہیں، زبان چلانے سے سمجھ میں نہیں آتے۔ بقول مولانا:

گرچہ تفسیر زبان روشن گرست　　لیک عشق بے زباں روشن ترست[2]

غرض رفع حجاب کا طریق ترک التفات الی الغیر[3] ہے۔ پھر اس ترک التفات الی الغیر کا ایک طریق ہے[4] وہ یہ کہ چند روز کسی محقق کی تعلیم کے موافق خلوت میں بیٹھ جاؤ اور جو بھی وہ بنائے بھی کرو، اس کے بعد غیر حق سے بے تعلقی اور خدا سے تعلق پیدا ہوگا، اس وقت مشاہدہ حسب استعداد[5] ہوگا اور اس مشاہدہ سے معلوم ہوگا کہ محبت اور عشق

(۱) ٹیڑھی کھیر کا محاورہ مشکل کام کو کہتے ہیں اسی واقعہ سے بنایا گیا ہے (۲) ''یعنی گو عشق کی تفسیر زبان سے بھی ہوتی ہے مگر حقیقت اس تفسیر سے معلوم ہوتی ہے جو زبان بند کر کے حاصل ہوتی ہے'' (۳) پردوں کے اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ غیر کی طرف التفات نہ کرے (۴) غیر کی طرف توجہ نہ کرنے کو حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ (۵) حق تعالیٰ کا مشاہدہ اس کی استعداد کے مطابق ہوجائے گا

کیا چیز ہے اور اس وقت حقیقت ''وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ''(۱) کی منکشف ہوگی۔

مجاہدہ نفس کا اثر

اگر کوئی کہے کہ ہم نے مجاہدہ کیا تھا اور یہ بات حاصل بھی ہوگئی تھی مگر چند روز کے بعد وہ حالت اصلیہ پھر عود(۲) کر آئی۔ تو اس کی بقاء کا طریق بھی معلوم ہونا چاہیے تو اس غلطی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ مجاہدہ کا یہ اثر نہیں ہے کہ جذبات نفسانیہ فنا (۳) ہوجاویں جیسا سائل کو شبہ ہوا اور اسی بنا پر عود(۴) کا اشکال کیا بلکہ اس کا اثر صرف یہ ہے کہ وہ جذبات مغلوب ہوجاتے ہیں یعنی قبل مجاہدہ جو ہم تقاضائے نفسانی کی مقاومت(۵) کرتے تھے تو دشوار ہوتا تھا اور بعد مجاہدہ کے وہ مقاومت(۶) کرنا آسان ہوجاتا ہے اور علت اس آسانی کی وہی مجاہدہ ہے۔ پس جب مجاہدہ میں کمی ہوگی عود(۷) ضروری ہے اس لیے بقاء اس کیفیت مغلوبیہ کا اس پر موقوف ہے کہ مجاہدہ برابر جاری رہے اور عود کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس نے مجاہدہ کے بعد کسی دفعہ تقاضائے نفس کی مقاومت چھوڑ دی پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ پھر مقاومت نہیں کی، پھر ایسا ہی ہوا پھر نہیں کی۔ پس چند روز تم اسی طرح کرتا رہا۔ اس سے مجاہدہ کا اثر مضمحل ہو کے زائل ہوگیا ایسا کوئی مادہ بتاؤ کہ کوئی شخص برابر مقاومت کرتا رہا ہو اور پھر حالت اصلیہ (۸) عود کر آئی ہو۔ پس یہ غلطی کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجاہدہ کر کے بے فکر ہوجاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ بس اب ہمارے اندر سے رذائل نکل گئے(۹)، اس کے بعد جو نفس کا تقاضا ہوا تو اس کو رذیلہ(۱۰) نہیں سمجھا بلکہ کوئی اچھی حالت سمجھی حالانکہ رذائل فنا تو ہوتے نہیں مجاہدہ سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ اس لیے بے فکری سے وہ پھر اُبھر آتے ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں:

نفس اژدہا ہاست او کے مردہ است از غم بے التی افسردہ است(۱۱)

اور فنائے نفس(۱۲) کا جو مرتبہ مشہور ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ وہ مغلوب

---

(۱) سورۃ البقرہ:۱۶۵ (۲) پھر واپس آ گئی (۳) دلی خواہشات ختم ہوجائیں (۴) واپسی کا اشکال ہوا (۵) مقابلہ کرتے تھے (۶) مقاطیہ (۷) واپسی ہوگی (۸) مسلسل مجاہدہ کرتا رہتا ہو پھر اصلی حالت کی طرف لوٹا ہو (۹) بری خصلتیں (۱۰) بری حالت نہ سمجھے (۱۱) ''نفس اژدہا ہے وہ مرا نہیں ہے بے التی کے غم سے افسردہ ہوگیا ہے'' (۱۲) مطلب یہ ہے کہ نفسیاتی تقاضے مغلوب ہوگئے۔

ہوگیا اور توجہ الی اللہ غالب ہوگئی لیکن اصل باقی ہے اس لیے اور مجاہدہ کے بعد بے فکری سے عود کا ضرور اندیشہ ہے(۱) اس طریق میں بے فکری کی کہاں گنجائش یہ تو عمر بھر کا دھندا ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

اندریں راہ می تراش ومی خراش تادم آخر دمے فارغ مباش
تادمے آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود(۲)

درجات وصول

اگر کسی کو مولانا کے دوسرے شعر سے شبہ ہو کہ مولانا تو کامیابی کے احتمال کو وقت موت تک ممتد فرماتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ چالیس روز میں حاصل ہوجاتا ہے بات یہ ہے کہ ایک کفایت کا درجہ ہے اور ایک نہایت کا۔ کفایت کا درجہ تو چالیس روز میں کسی محقق کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوجائے گا جس کی حقیقت یہ ہے کہ طریق کی بصیرت ہوجائے گی، راہ پر لگ جاوے گا، اس کے بعد درجہ نہایت کا ہے جس کو مولانا فرمارہے ہیں جس کے وہ آثار ہیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''نعم العبد صهيب لو لم يخف الله لم يعصه'' یعنی اگر صہیب کو خدا کا خوف بھی نہ ہو تب بھی نافرمانی نہ کرے۔ یہ درجہ جب ہی حاصل ہوتا ہے جب کہ برابر مجاہدہ نفس میں مشغول رہے جس سے کسی دن محبت ایسی واضح ہوگی کہ خوف کی بھی ضرورت نہ رہے گی، یہ نہایت ہے۔

اس کی ایسی مثال سمجھو کہ عالم بننے کے لیے ایک درجہ تو کفایت اور ضرورت کا ہے نصاب درس ختم کرلیا جائے اور ایک درجہ نہایت کا ہے کہ برسوں پڑھنے پڑھانے اور کتب بینی کرنے سے تجربہ کا درجہ حاصل ہوجائے۔ پس میرے دعوے میں جو حافظ کے کلام میں بھی منصوص ہے اور حضرت مولانا رومیؒ کے ارشاد میں بھی تعارض نہ رہا۔

(۱) بے فکری کی وجہ سے پھر ایسی ہوسکتی ہے (۲) ''تم کو چاہئے کہ اس طریق وصول الی اللہ میں ہمیشہ ادھیڑ بن میں لگے رہو اور آخری دم تک ایک لحظہ فارغ مت ہو کیونکہ آخری وقت تک کوئی گھڑی ایسی تو ضرور ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائے گی یعنی طلب میں لگے رہو تو ضرور وصول الی اللہ ہوجائے گا''

روح کی قوت

میں اوپر یہ گفتگو کررہا تھا کہ کراہت طبعی اطاعت کے خلاف نہیں، درمیان میں استطراداً (۱) دوسرے مضامین اسی کے متعلق آ گئے تھے۔اب میں اسی طرف عود کرتا ہوں کہ اصل اطاعت یہی ہے کہ عقلی کراہت نہ ہو، باقی طبعی کراہت نہ رہنا، اطاعت کا جزو یا لازم نہیں اور اسی لیے یہ حالت اکثر متوسطین کو پیش آتی ہے۔ کیونکہ متوسطین تو اپنے حال میں اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اس وقت لذت طبعیہ اور کراہت طبعیہ کچھ بھی نہیں رہتی، غلبہ کیفیت سے امور طبعیہ مغلوب ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے ذکر میں زیاہ مزہ آتا ہے کیونکہ اس وقت کیفیت کا ورود غلبہ سے ہوتا ہے جس سے نفس کی کشاکشی مغلوب ہوجاتی ہے، یک سوئی کامل ہوجاتی ہے اور یہی منشاء ہے لذت کا۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہ سے ان کے ایک خادم نے شکایت کی کہ حضرت ذکر میں اب ویسا مزہ نہیں آتا جیسا شروع میں آتا ہے۔ مولانا نے فرمایا: میاں تم نے سنا نہیں کہ پرانی جورو ااماں ہوجاتی ہے۔

دیکھو اگر کوئی کسی پر عاشق ہوگیا ہو، پھر نکاح ہوجائے تو ہفتہ دو ہفتہ کے بعد وہ کیفیت نہیں رہے گی جو ابتدا میں تھی۔ اگر کوئی کہے کہ بس جی پھر تو جنت کا مزہ بھی مغلوب ہوجائے گا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو مغلوبیت کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اس شے کے تمتع اور حسن کا احاطہ کرلیا ہے یہاں بھی حسن غیر محدود ہوتا تو شوق کبھی ختم نہ ہوتا۔ یہاں وہ حسن بھی محدود ہے اور اپنی قوت بھی محدود ہے اور جنت کا حسن بھی غیر محدود ہے اور قوت بھی غیر محدود ہوگی۔ پھر شوق کیوں ختم ہوگا وہاں تو یہ حال ہوگا۔یزیدک وجھہ حسنااذامازدتہ نظرا (۲) اور یہی وجہ ہے کہ ذکر میں لذت نفسانیہ تو کچھ دنوں کے بعد کم ہوجاتی ہے مگر شوق روحانی کم نہیں ہوتا کیونکہ روح کی قوت نفس سے زیادہ ہے اور محبوب حقیقی کے کمالات حسن وغیرہ غیر متناہی ہیں تو شوق روحانی کا وہ حال ہوتا ہے جس

(۱) ضمنا (۲) یعنی جس قدر تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں حسن کا دور زیادہ پاتا ہوں‘‘

کو حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دل آرام در بردل آرام جو لب از تشنگی خشک وبرطرف جو(۱)
نگویم کہ بر آب قادر نیند کہ بر ساحل نیل مستسقی اند(۲)

اور ایک دوسرے عارف فرماتے ہیں:

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز ودم درکش کہ حسن ایں قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد(۳)

اور کسی نے کہا ہے:

دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار گلچین بہار تو نہ داماں گلہ دارد(۴)

اور چونکہ جنت میں روح کی قوت یہاں سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس لیے وہاں یہ شوق یہاں سے بھی زیادہ ہوگا۔ اس مقام پر بعض غیر محقق صوفیاء کو شبہ ہوگیا ہے کہ عشاق کو جنت میں بے چینی رہے گی۔ مگر واقع میں یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ شوق میں ہمیشہ بے چینی ہوتی ہے۔ بے چینی جب ہوتی ہے کہ محبوب کا حصول شوق کے درجہ تک نہ ہو اور وہاں جیسے شوق موافق ہوگا پھر اس میں کیا استبعاد ہے کہ شوق موجود ہو اور بے چینی نہ ہو اور راز اس میں یہ ہے کہ جس حالت میں جس قدر قرب محبوب کی استعداد ہوگی شوق بھی اسی درجہ کا ہوگا پھر استعداد میں بھی ترقی ہوگی اور اسی قدر شوق میں بھی۔

مبتدی و منتہی کی شناخت

بے چینی اس وقت ہوتی ہے جب استعداد سے کم قرب ہو، ان کو دھوکہ ہوا ہے قیاس الغائب علی الشاہد(۵) سے کہ آخرت کو دنیا پر قیاس کیا۔ بہرحال سالک کو یہ بات پیش آتی ہے کہ ابتداء میں یہ ابن الوقت ہوتا ہے کہ حالات اس پر غالب ہوتے ہیں اور یہ ان میں مغلوب ہوتا ہے اور انتہا میں ابوالوقت ہوتا ہے کہ حالات پر یہ غالب ہوتا ہے

(۱) ''محبوب بغل میں ہے اور محبوب کو ڈھونڈ رہے ہیں، نہر کے کنارے پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں'' (۲) ''یہ ہم نہیں کہتے کہ پانی پر قادر نہیں بلکہ دریائے نیل کے کنارے پر پیاس کے بیمار کی طرح ہیں'' (۳) ''قلم توڑ سیاہی بکھیر اور کاغذ جلا اور خاموش رہ حسن یہ عشق کا قصہ ہے جو دفتر میں نہیں سما سکتا'' (۴) ''تیرے حسن کے گل بہت ہیں تیرے بہار کے گل جس کو تنگ دامنی کا گلہ ہے'' (۵) غیر موجود کو موجود پر قیاس کرنے سے شبہ ہوا۔

جیسے قرآن یاد کرنے میں ابتداء میں قرآن کو رٹنا پڑتا ہے اور جب یاد ہو گیا تو اب کچھ محنت نہیں۔ اب نہ وہ رات دن رٹتا ہے نہ سناتا ہے، اس کی اس حالت کو دیکھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ حافظ ہے اور رٹنے والے کی حالت کو دیکھ کر سب سمجھ جاتے ہیں کہ یہ حافظ ہے۔ اسی طرح اولیاء کاملین کی حالت انتہا میں کسی کو معلوم نہیں ہوتی کہ یہ کس درجہ کے ہیں۔ بس ایسی حالت معلوم ہوتی ہے جیسے معمولی ناظرہ خواں ہو۔ ہاں مبتدی سلوک کی حالت سب کو معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ تو مثل قرآن حفظ کرنے والے کے ہے کہ رٹ رہا ہے رات دن اور حافظ کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ بس رمضان آیا اور سنا دیا، پس جس مقام پر صبر کا امر ہے کاملین کو وہاں طبعی ناگواری ہوتی ہے اور وہ اس مقام میں صبر سے کام لیتے ہیں اور مبتدی کو غلبہ حال سے بے چینی ہی نہیں ہوتی اس لیے وہ ہنستا ہے مگر یہ کمال نہیں، کمال وہی ہے کہ بے چینی بھی ہو اور پھر صبر ہو، یہ اولیاء کاملین کا حال ہے اور انبیاء کی حالت ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے، وہ سب سے زیادہ ادراک (۱) بھی رکھتے ہیں پھر اپنے مقامات پر غالب ہوتے ہیں اور دونوں کا فرق میں ابھی کلورافارم (۲) کی مثال میں بتا چکا ہوں کہ ایک کلورافارم سونگھے ہوئے ہے اس کو حس ہی نہیں الم کا (۳) اور ایک ذی ہوش ہے (۴) اس کو حس ہے الم کا اور باوجود احساس الم کے پھر اُف نہیں کرتا۔ بتلایئے دونوں میں کون کامل ہے تو انبیاء کے مقابلہ میں اولیاء متوسطین ایسے ہی ہیں۔

اسی طرح جس کی حسین عورت پر نظر پڑ گئی اور میلان بھی ہوا مگر غیرت الٰہی کے خوف سے اس طرف التفات نہ کیا اس کی حالت اندھے سے اکمل و بہتر ہے جس کو حسن کا ادراک ہی نہیں ہوا۔

اب ''حفت الجنة بالمكاره'' (۵) کی حقیقت خوب منکشف ہو گئی کہ جاڑہ میں صبح کی نماز کے لیے اُٹھے۔ سردی کے مارے وضو ناگوار ہے مگر محبت عقلیہ کی وجہ سے کرتا ہے تو

(۱) احساس (۲) خواب آور دواء (۳) درد کا احساس نہیں (۴) جو ہوش میں ہے اس کو درد کا احساس ہے (۵) ''جنت ناگوار چیزوں سے گھیر دی گئی ہے'' الصحیح لمسلم۔

اس میں جو شبہ اطاعت و کراہت کے تنافی کا متوہم ہوتا تھا وہ دفع ہو گیا۔

حب اللہ پیدا کرنے کی تدبیر

غرض ایک تو قانونی اطاعت ہے اور ایک حقیقی جس میں حق تعالیٰ کی محبت کی بھی چاشنی ہو کہ مطلقاً فرض ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ محبت کیسے حاصل ہو اس کی بھی ایک تدبیر ہے وہ یہ ہے کہ اہل محبت کے پاس رہو اور وہ جو بتلادیں کرو، اب جب تک جانا میسر نہ ہو اس وقت تک کے لیے ایک وقتی نسخہ بتلائے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ چند باتوں کا التزام کرو۔

ایک یہ کہ کوئی معصیت اور نافرمانی نہ ہو، گو اس میں کُلْفَت (۱) ہی کیوں نہ ہو اس میں راز یہ ہے کہ جب ہم نافرمانی نہ کریں گے حق تعالیٰ کی نظر محبت ہم پر ہوگی اور اس سے خود بخود آپ کو حق تعالیٰ کی طرف کشش ہوگی اور کشش اصل میں ادھر ہی سے ہوتی ہے اور علت وصول کی یہی ہے مگر اس سے آپ کی کوشش واجتناب عن المعصیۃ (۲) کا بیکار ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وہ کوشش تب ہی ہوتی ہے جبکہ آپ قصد کریں اور قصد یہی ہے اور گو اس میں چند روز تکلیف ہوگی کہ ہر وقت نفس کی مخالفت کرنا پڑے گی مگر پھر عادت سے سہولت ہو جاوے گی۔

اہتمام ذکر اللہ

ایک بات یہ کیجئے کہ دوسرے تیسرے دن تھوڑا سا وقت نکال کر خلوت میں بیٹھ کے توجہ کے ساتھ اللہ اللہ کر لیا کیجئے اور اس میں وساوس کے آنے کا اندیشہ نہ کیجئے۔ آپ اللہ اللہ کی طرف نگاہ رکھئے، خواہ لکھا ہوا سامنے رکھئے، چاہے لکھا ہوا فرض کر لیجئے کہ میں اس لکھے ہوئے کو دیکھ رہا ہوں یا ارادہ کے ساتھ ادا کیجئے۔ محض یاد سے نہیں کہ دھیان اور طرف ہو اور لفظ اللہ زبان پر ہو بلکہ دل سے سوچ سوچ کر زبان پر لائیے۔ پھر ادھر توجہ رکھنے کی حالت میں وساوس خود بخود رفع ہو جاویں گے۔

(۱) مشقت (۲) آپ کی کشش اور گناہوں سے پرہیز کرنے کا بیکار ہونا لازم نہیں آیا۔

وساوس سے بچنے کا طریقہ

اور اگر آپ یہ چاہیں کہ خطرات(۱) میں بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہو تو اس کا بھی طریقہ ہمارے حضرت قدس سرہ نے بتایا ہے کہ یہ سوچئے کہ سبحان اللہ کیا قدرت ہے حق تعالیٰ کی قلب میں بھی دریا کی سی موجیں پیدا کردیں تو پھر وہ سارے خطرات آئینہ جمال الٰہی بن جاویں گے۔ شیطان نے تو جال پھیلایا تھا حق سے دور کرنے کے لیے مگر اہل اللہ نے اس پر کیسا صیقل(۲) کردیا کہ وہ اپنی سلیٹ کوری(۳) لے کر چلا گیا، اگر اب وہ دوبارہ آوے گا بھی تو لیٹ ہو کے آوے گا مگر کہیں اس اطمینان پر آپ نہ لیٹ رہیں(۴)۔

نعمتوں کا استحضار

ایک جزو یہ ہے کہ وقت مقرر کرکے تھوڑی دیر خدا کی نعمتوں کا اور اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ کیجئے۔ ایک جزو یہ ہے کہ کسی کامل بزرگ سے خط وکتاب رکھئے اور اپنے حالات اسے لکھئے اور اگر کچھ حالات نہ ہوں تو یہی لکھ دیجئے کہ کوئی حالت نہیں ہے اگرچہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ مفید یا مضر کوئی حالت نہ ہو۔ ایک جزو یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی حکایات مجاہدہ وریاضت وترک دنیا کی دیکھا کیجئے۔

دقائق تصوف کے دیکھنے سے احتراز

مگر ان کی دقیق ملفوظات کا مطالعہ نہ کیجئے ورنہ ایمان برباد ہونے کا اندیشہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

نکتہا چوں تیغ فولاد است تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز(۵)

سپر سے مراد علم وفہم ہے۔

پیش ایں الماس بے اسپرمیا کز بریدن تیغ رانبود حیا(۶)

(۱) وساوس (۲) پالش کیا (۳) سادی (۴) آپ بے فکر نہ ہوجائیں (۵) ''نکتے مثل تلوار ہندی کے تیز ہیں جب تمہارے پاس ڈھال نہیں ہے تو پیچھے ہٹ جاؤ'' (۶) ''اس تلوار کے سامنے بغیر ڈھال کے مت آؤ اس لیے کہ تلوار کاٹنے سے نہیں شرماتی''

خوب ہی فرمایا ہے کہ تلوار نہیں شرماتی کاٹنے سے۔ آگے مولانا ان لوگوں کی خبر لیتے ہیں جو ایسے دقیق مضامین بلاضرورت نااہلوں کے سامنے بیان کرتے رہتے ہیں۔

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند وز سخنہا عالمے راسو ختند (۱)

یعنی سچی باتیں بھی جب عوام کے فہم سے بالاتر ہوں ان کو عوام سے بیان کرنا ممنوع ہے۔ حضرت شیخ اکبر بھی فرماتے ہیں ''یحرم النظر فی کتبنا'' ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہیں نہ اس لیے کہ ان کے مضامین مفید نہیں بلکہ اس لیے کہ عوام میں استفادہ کی قابلیت نہیں جیسے طبیب ضعیف المعدہ (۲) سے کہے کہ بھنا ہوا گوشت مت کھایا کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ فی نفسہ مضر ہے (۳) بلکہ فی نفسہ تو وہ لذیذ ومفید ہے مگر اس کے معدہ میں اس کے ہضم کی طاقت نہیں ہے۔ اسی طرح مبتدی کو ایسی کتاب کا مطالعہ مناسب نہیں۔

ہاں ایسی کتابیں دیکھئے جیسے روض الریاحین ہے کہ میں نے اس کا ترجمہ اردو میں کرادیا ہے اور وہ چھپ بھی گیا ہے۔ اس میں اولیاء اللہ کی پانچ سو حکایتیں تھیں اور پانچ سو میں نے دوسری کتب سے ملادیں۔ اب ہزار ہوگئیں اور اس کا نام رکھا ہے (نزہۃ البساتین) یہ کتاب خود بھی مطالعہ میں رکھئے اور گھر والوں کو بھی سنایا کیجئے۔ البتہ بعض حکایات اس میں بھی غامض (۴) ہیں ان کو چھوڑ دیا کیجئے۔

نفس پرستوں کا وسوسہ

اس پر نفس پرستوں کو یہ وسوسہ ضرور ہوگا کہ اس سے تو دنیا کا مزہ ہی جاتا رہے گا۔ میں کہتا ہوں خدا کی قسم اس سے تو دنیا میں پہلے سے زیادہ مزہ آنے لگے گا۔ دیکھئے آم کی لذت کی دو صورتیں ہیں ایک تو خود آم ملا، شیریں اور مزیدار، تو اس میں تو محض آم ہی کا مزہ ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ محبوب نے آپ کو مزیدار آم دیا تو اس میں دو لطف ہیں۔ ایک عین کا اور اضافت کا یعنی اس کے انتساب الی المحبوب (۵) کا کہ کھاتے ہوئے اس کا بھی مزہ لے رہے ہیں کہ یہ ہم کو محبوب نے بھیجا ہے تو بتلایئے کہ اب مزہ

(۱) ''بڑے ہی ظالم ہیں جنہوں نے آنکھیں بند کرکے ایسی باتوں سے ایک عالم کو ویران کردیا'' (۲) کمزور معدہ والے سے کہے (۳) اپنی ذات کے اعتبار سے نقصان دہ ہے (۴) مشکل ہیں (۵) کہ محبوب نے دیا ہے اس کی بھی لذت آئے گی اور آم کی بھی لذت آئے گی۔

زیادہ ہے یا پہلے زیادہ تھا۔

اسی طرح تعلق مع اللہ سے پہلے آپ گھر میں بیٹھے قورمہ کھا رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد تعلق مع اللہ کے اثر سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ تو محبوب کا دیا ہوا ہے تو اب جو مزہ آوے گا قورمہ میں پہلے ہرگز نہ تھا۔ پہلے صرف قورمہ ہی تھا اور اب محبوب کا دیا ہوا قورمہ ہے تو بتلایئے لطف بڑھے گا یا کم ہوگا۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ محبان حق کو خود دنیا میں جو لطف حاصل ہے دنیادار اس لطف سے محروم ہیں کیونکہ انہیں اس انتساب (۱) کا لطف میسر نہیں اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو خود قورمہ کا بھی لطف حاصل نہیں کیونکہ وہ جس ظرف (۲) میں کھا رہے ہیں اس میں مٹی پڑی ہوئی ہے جس سے سارا قورمہ کرکرا ہو رہا ہے وہ ظرف ذہن ہے اور مٹی کدورات وتشویشات وتفکراتِ دنیا (۳) ہیں کہ فلانے نے دعویٰ کر دیا ہے یا فلانے کے ذمہ اتنا روپیہ ہے، دیکھئے وصول بھی ہو یا نہ ہو۔ اہل اللہ کے پیالہ میں یہ مٹی نہیں ہے۔

اہل اللہ کی حالت

میرا یہ مطلب نہیں کہ اہل اللہ کو حوادث وتفکرات پیش نہیں آتے پیش آتے ہیں مگر آپ میں اور ان میں حوادث کی حالت میں بھی فرق ہے۔ وہ یہ کہ آپ حوادث کے متعلق تجویز ورائے رکھتے ہیں کہ اس طرح ہونا چاہیے اور وہ اختیار میں نہیں اس سے سخت پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں اور اہل اللہ اپنی تجویزیں تمام تر مشیت الٰہی (۴) میں فنا کر دیتے ہیں اور ان کا مذہب یہ ہو گیا ہے کہ:

ہرچہ از دوست مے رسد نیکو ست

''جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچتا ہے وہ بہتر ہے''

اور یہ مذہب ہے کہ

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من (۵)

باقی یہ کہ مذہب ان کا کیسے ہو جاتا ہے۔ سو اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے

(۱) اس نسبت (۲) برتن (۳) پریشانیاں اور مختلف فکریں ہیں (۴) اللہ کی چاہت میں ختم کر دیتے ہیں (۵) ''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو وہ مجھ کو پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں''۔

ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے محبوب کے حکم سے ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ ان کا حال بن گیا ہے تو اب ان کی کلفت کی ایسی مثال ہے جیسے محبوب کسی عاشق کو پیچھے سے آ کر اپنی آغوش میں زور سے دبالے تو جب تک اس نے محبوب کو دیکھا نہیں اس وقت تک تو جھنجھلاتا ہے کہ یہ کون مجھے دبانے لگا مگر پھر جو دیکھا کہ محبوب دبا رہا ہے تو اب یہ حالت ہے کہ پہلے سے زیادہ دبائے جانے کی تمنا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں اور تیرا رقیب چاہتا ہے کہ مجھے دبالو، تو میں اس کو دبالوں، تو اس وقت وہ عاشق کہتا ہے:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۱)

اسی طرح اہل اللہ کی حالت ہے کہ انہیں تکالیف دنیا تو کیا ناگوار ہوتیں ان کو تو موت بھی ناگوار نہیں کیونکہ وہ سب ایسی ذات کا تصرف ہے جو ان کا دلربا ہے(۲) اس لیے یہ حالت ہے کہ بچہ بھی بیمار ہے مگر جیسی سوچ ان اہل دنیا کو ہوتی ہے کہ ہائے مر گیا تو کیا ہوگا وہاں کچھ بھی نہیں اور اس تمام تر پریشانی ورنج کی جڑ یہ تجویز ہی ہے اور جب تجویز ہی نہ کرے تو رنج کیسا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ آپ کے پیالہ میں سے تو قورمہ کا بھی لطف مفقود ہے۔ سو ایک تو آپ کا قورمہ ہے کہ اس میں مٹی ملی ہوئی ہے اور ایک اہل اللہ کا قورمہ ہے کہ بالکل صاف ہے۔

اہل اللہ کا پلاؤ قورمہ

کوئی کہے اہل اللہ کا قورمہ کیسا؟ کیا اہل اللہ بھی قورمہ کھاتے ہیں کیوں کیا ہوا کیا قورمہ کھانا حرام ہے۔ بعض لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ اہل اللہ کو لذائذ حرام ہیں۔ جیسے ایک شخص نے میری نسبت اعتراضاً کہا تھا کہ کپڑا اچھا پہنتا ہے، اسی طرح لوگوں نے اہل اللہ کی نسبت سوچ رکھا ہے کہ بس یہ سوکھی روٹیاں کھاویں تو اہل اللہ ہیں ورنہ نہیں ہیں، یہ غلط ہے۔ ہاں اہل اللہ کو قورمہ کی فکر نہیں ہوتی، ان کے سامنے جو نعمت بھی آجاوے وہ قورمہ ہی ہے اور جو قورمہ بھی آجاوے وہ اس کی نعمت سمجھ کر کھاتے ہیں، لذت نفس کے لیے نہیں کھاتے۔ تو انہیں ایک تو قورمہ کا لطف، دوسرے انتساب الی المحبوب(۳) کا اور تیسرے یہ کہ وہ کر کرا نہیں کیونکہ نہ

(۱) ''دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو جو آپ کی تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ اس پر خنجر سے وار کریں'' (۲) محبوب (۳) محبوب کی طرف منسوب ہونے کا لطف۔

وہاں مقدمہ کی فکر ہے نہ بیٹے کا غم اور اس سب کی وجہ وہی محبت اور محبت واقع میں ایسی چیز ہے۔

از محبت تلخہا شیریں شود

''محبت سے ناگوار باتیں بھی گوارہ ہیں''

حقیقت میں شاہی زندگی اہل اللہ کی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱) یعنی عمل صالح کی جزا محض ادھار ہی نہیں ہے جیسے عام کا خیال ہے بلکہ اس کی ایک جزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور وہ حیات طیبہ ہے کہ جس میں کوئی غم وفکر نہیں ہے۔

اہل اللہ کا حال

کسی نے حضرت بہلول دانؒ سے پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے؟ کہا کیا پوچھتے ہو اس شخص کا مزاج کہ دنیا میں کوئی کام اس کی خواہش کے خلاف نہ ہو۔ اس نے پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا دنیا میں جو کام ہوتا ہے یہ تو مسلم ہے کہ وہ خدا کے ارادہ کے خلاف نہیں ہوتا اور میں نے اپنے ارادہ کو ان کے ارادہ میں فنا کر دیا ہے۔ تو جب وہ خدا کے ارادہ کے موافق ہے تو میری بھی خواہش کے مطابق ہوا۔

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جو معاصر ہیں حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرماتے ہیں جب ارواح کو جمع کیا گیا تو ہر ایک سے پوچھا گیا کیا چاہتے ہو تو جو جس کی سمجھ میں آیا وہ اس نے مانگا، جب اس ناچیز کو نوبت آئی اور پوچھا گیا کیا چاہتے ہو، میں نے کہا: اریدان لا اریدو اختار ان لا اختار (۲) فاعطانی مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اھل ھذا العصر (۳)

مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا رتبہ حضرت غوث اعظمؒ سے بھی بڑھا ہوا ہو۔ ممکن ہے کہ اکثر اہل عصر مراد ہوں اور ایک حیثیت سے یہ بڑھے ہوئے ہوں اور

(۱) ''یعنی جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس کو بالطف زندگی دیں گے اور اس کو اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے'' سورۃ النحل: ۹۷ (۲) ''یعنی میں یہی تجویز کرتا ہوں کہ کچھ تجویز نہ کروں اور یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں'' (۳) ''پس مجھے وہ چیزیں عطا فرمائیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے دل میں ان کا وسوسہ ہی آیا، اس زمانہ والوں سے''

ایک حیثیت سے وہ۔ اس بارہ میں گو نص تو ہے نہیں جو کسی ایک شق کا جزم کیا جاوے اور یہی فیصلہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ہے جن کی افضلیت مطلقہ منصوص نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے علاوہ کہ آپ ﷺ تو علی الاطلاق سب سے افضل ہیں، باقی انبیاء کے تفاضل میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ ایک فضیلت کے اعتبار سے ایک افضل ہوں اور دوسری فضیلت کے اعتبار سے دوسرے۔

تو دیکھئے فنا کا ارادہ کیا چیز ہے کہ اتنی بڑی دولت اس کی بدولت ملی۔

منطقیوں کے اشکالات اور ان کے جواب

ایک منطقی نے اس پر اعتراض کیا کہ جب عدم ارادہ کیا تو یہ بھی ایک ارادہ ہے تو ارادہ پایا گیا۔ پھر عدم ارادہ کا حکم کیسے صحیح ہوا مگر یہ لوگ خادم الفاظ ہوتے ہیں اور صوفیاء اہل معانی ہیں۔ ابن عطاؒ نے اس کا خوب جواب دیا ہے کہ وہ مطلق ارادہ کے فنا کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ اس ارادہ کے فنا کو کہتے ہیں جو مزاحم رضائے حق (۱) ہو اور عدمِ ارادہ کا مزاحم ارادہ رضائے حق نہیں تو اس کے ارادہ کی نفی نہیں کرتے۔ معترض تو منہ دیکھ کر رہ گیا ہوگا۔ یہ معقول (۲) لوگ ہمیشہ لفظوں ہی کے گورکھ دھندے میں رہتے ہیں۔ پھر اپنے کو اہل معانی کہتے ہیں۔

ایسا ہی ایک مشہور اور لغو (۳) اشکال ہے۔ کلامی ھذا کاذب میں کہ ہذا کا مشارالیہ یہی کلام ہو تو یہ کلام صادق ہے یا کاذب۔ اور پھر اس پر بڑی بڑی بحثوں میں وقت ضائع کیا ہے۔ مگر اے اللہ محاورہ میں کسی نے بھی یہ جملہ آج تک استعمال کیا ہے۔ بس ایک صورت اپنی طرف سے گھڑ لی اور اشکال کر دیا، چاہے اس کا وقوع ہو یا نہ ہو، انہیں صوفیاء تو کیا منہ لگاتے عوام بھی نہیں پوچھتے۔

چنانچہ ایک منطقی طالب علم کسی تیل کی دُکان پر گئے تیل خریدنے۔ اس کے بیل کے گلے میں گھنٹی بندھی دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیوں باندھی ہے۔ اس نے کہا، اس لیے تاکہ گھنٹی کی آواز سے یہ معلوم ہو جائے کہ بیل چل رہا ہے۔ آپ نے کہا آواز سے تو بیل

(۱) جو اللہ کی خوشنودی کے خلاف ہو (۲) منطقی (۳) فضول۔

کا چلنا لازم نہیں آتا، ممکن ہے وہ کھڑے کھڑے گردن ہلایا کرے۔ اس نے کہا جی ہاں یہ تو سچ ہے مگر میرے بیل نے منطق نہیں پڑھی ہے، آپ میرے بیل کو بگاڑنے آئے ہیں، مہربانی کر کے تشریف لے جایئے، یہ قدر کی منطقی صاحب کی اس تیلی نے۔ تو غرض فناء ارادہ صوفیا(۱) کا ایک خاص مشرب ہے کہ اس کے بعد ہر حال میں خوش ہیں۔ ہاں الم طبعی رضائے (۲) عقلی کے خلاف نہیں تو کیا اچھا نسخہ ہے محبت الٰہیہ جس سے دنیا بھی لذیذ اور دین بھی کامل۔ یہ تو اہل محبت کی جماعت ہے کہ مزے لوٹ رہے ہیں۔

منکرین کی حالت

ایک جماعت منکرین کی ہے کہ ان کو مزہ تو کیا نصیب ہوتا خود وجود محبت ہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت الٰہیہ کے کوئی معنی ہی نہیں کیونکہ بے دیکھے محبت ہو نہیں سکتی اور حق تعالیٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا مگر ان لوگوں نے نہایت بے حسی سے کام لیا ہے۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہم لوگوں نے آنکھوں سے دیکھا اور نہ اپنے کانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کے دل میں کس قدر ہے کہ جان دینے کو تیار ہیں تو محبت رؤیت ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہاں محبت کی بعض قسمیں ایسی بھی ہیں جو دیکھنے پر موقوف ہیں لیکن عقلی محبت تو کسی طرح بھی اس پر موقوف نہیں۔

مثلاً ہم لوگوں کو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بوجہ ان کے کمالات فقہیہ وعبادت وورع کے خاص محبت ہے۔ اگر کسی طرح سے آپ کو دیکھ لیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ آپ حسین نہیں ہیں تو کیا یہ محبت گھٹے گی، ہرگز نہیں کیونکہ ہمیں جو محبت ہے وہ تو آپ کے کمالات سے ہے اور اس کا ادراک بصر (۳) پر موقوف نہیں تو پھر خدا تعالیٰ کے ساتھ محبت میں کیا استبعاد رہا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جس کا نام ہے محبتِ حسن وہ بھی دراصل کمال کی محبت ہے کیونکہ حسن بھی ایک کمال ہے اور اگر کمال سے قطع نظر حسن ہی کو بالذات مؤثر فی المحبت کہا جاوے تب بھی اگر زیادہ غور کیا جائے تو جس حسین کی بھی محبت ہو وہ واقع

(۱) اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا میں فنا کر دینا (۲) طبعی غم ہونا عقلی غم نہ ہونے کے خلاف نہیں (۳) دیکھنے پر۔

میں حق تعالیٰ ہی کی ہے۔اب میں منکرین محبت حق پر احتجاج کرتا ہوں کہ حسن و جمال جس محبوب کی صفت ہے وہ اس کی صفت بالذات ہے یا بالعرض ہے۔ اگر بالذات ہے تو زائل کیوں ہوتی ہے۔ چار دن بخار آیا اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ ذرا سی چیچک نکل آئی اور معلوم ہوا کہ مرغ نے گوبر میں ٹھونگیں ماردی ہیں اور اسی لیے صفت کے زوال کے ساتھ خود محبت بھی رخصت ہوجاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عشق بامردہ نباشد پائیدار عشق را باحی و باقیوم دار
عشق ہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود
غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں عشق ہائے اولین وآخریں(۱)

اور جب یہ مجازی حسن و جمال صفت بالذات نہیں بالعرض ہے تو اس کے لیے بالذات کی ضرورت ہوگی اور تم جس کو بالذات بتاؤ گے اگر وہ فانی وحادث ہے تو یہی کلام اس میں برابر ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ منتہا ہوگا حق تعالیٰ پر ’’ اَلَا اِلَی اللّٰہِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ‘‘،’’ اور چونکہ ہے کمالات مقصودہ سے اس لیے مرجعیت کی صورت اتصاف بالذات ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ حسن و جمال بھی اصل صفت حق تعالیٰ ہی کی ہے۔

حسن ربانی

مگر کہیں اس سے یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ صفت خدا تعالیٰ کی اسی ہیئت سے ہے جس ہیئت سے مخلوق میں ظاہر ہے ہرگز نہیں بلکہ بلاتشبیہ اس کی ایسی ناتمام مثال ہے جیسے آفتاب نکلا اور اس کی کرن کسی آئینہ میں سرخ اور کسی میں سبز معلوم ہونے لگی تو کیا آفتاب کو سرخ اور سبز کہنے لگیں گے ہرگز نہیں۔آفتاب کی شعاع کا رنگ تو ایک ہی ہے مگر خصوصیت محل کی وجہ سے یہ فرق ہوگیا ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ کا حسن تو واحد ہے اور اس کی کوئی مثال بھی بیان نہیں کی

(۱)’’مردہ کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں ہے اس لیے اس حی وقیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے جو عشق ومحبت رنگ وروپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں بلکہ محض ننگ ہوتا ہے جس کا انجام حسرت ہے عشق حقیقی میں غرق ہوجاؤ اس میں غرق ہونا اولین وآخرین کا عشق ہے‘‘

جاسکتی مگر اس کی شعاعیں مختلف محلوں میں مختلف نظر آتی ہیں اور ناتمام اس لیے کہا کہ مشبہ بہ میں تو حقیقت شعاع کی اور اس کے تعلق بآئینہ کی حقیقت معلوم ہے اور مشبہ میں نہ صفت حق کی حقیقت معلوم نہ اس کی وجہ تعلق بالمظاہر۔ مگر جو مقصود ہے تشبیہ سے وہ ظاہر ہے اور وہ مقصود یہ ہے کہ جب عشق حسن پر ہوتا ہے اور وہ اصل میں صفت حق تعالیٰ کی ہے تو وہ درحقیقت حق تعالیٰ ہی کے حسن کا عشق ہے کسی نے اس مضمون کو ناتمام تعبیر کیا ہے۔

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ پس بچشم عاشقان خود را تماشا کردۂ
پرتوئے حسنت نگنجد در زمین وآسمان در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردۂ(۱)

اور ایک حسن ہی کیا تمام صفات کے کمال کا یہی حال ہے کہ انسان کا علم، فضل، عطا، جود، حسن وغیرہ تمام صفات کمال میں حق تعالیٰ ہی متصف بالذات ہیں۔ پس اگر حسن کی یا اور کسی کمال کی وجہ سے کوئی کسی پر عاشق ہے تو وہ درحقیقت حضرت حق ہی کا عاشق ہے مگر اسے خبر نہیں۔ جیسے دیوار پر آفتاب کی روشنی دیکھ کر کوئی دیوار کا عاشق ہوا تو وہ درحقیقت آفتاب کا عاشق ہوا، دیوار کا عاشق نہیں مگر اسے آفتاب کی خبر نہیں، اب جو آفتاب غروب ہونے لگا اور روشنی چلی تو چلاتا ہے کہ ہائے میرا محبوب چلا اور اگر اس کو حقیقت معلوم ہوجاتی تو یہ پریشانی نہ ہوتی کیونکہ غروب کے سبب صرف دیوار کے اوپر سے وہ روشنی غائب ہوئی ہے۔ آفتاب سے تو غائب نہیں ہوئی، وہاں تو اب بھی موجود ہے۔

خوبی مخلوق مظہر صفاتِ رب ہے

اسی طرح علم کو صحیح کرلیا جائے تو پھر کسی محبوب مجازی کے فوت سے غم نہ ہو کیونکہ اس میں تو محبوب حقیقی کا عکس تھا۔ جب محبوب حقیقی باقی ہے تو یہ کمال بھی باقی ہے پھر رنج کا ہے کا۔ پس اگر کسی سے سخاوت کی وجہ سے محبت ہے تو بھی وہی محبوب ہے۔ اور اگر علم کی وجہ سے محبت ہے تو بھی وہی محبوب ہے اور حسن کی وجہ سے محبت ہے تو بھی وہی محبوب ہے اسی واسطے لا الہ الا اللہ کے مدلول کا ایک درجہ عارفین کے نزدیک یہ بھی ہے کہ لا مطلوب الا اللہ بلکہ لا موجود الا اللہ مگر شریعت نے اس کے ساتھ حکمت کی رعایت

(۱) ''اپنے حسن کو حسینوں کے چہرے سے ظاہر کیا ہے عاشقوں کی آنکھ میں اپنے آپ کو تماشا بنایا ہے۔ آپ کے حسن کا پرتو زمین وآسمان میں نہیں سماتا میں حیران ہوں کہ میرے فریم سینہ میں کیونکر جگہ کرلی ہے''

سے اسباب کا بھی لحاظ کیا ہے ورنہ لا موجود الا اللہ کی بناء پر تو بندہ کا کسی پر کچھ احسان ہی نہ ہوتا اور نہ کوئی کسی کا احسان مانتا اور اس سے تمدن برباد ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اسی لیے بقائے تمدن کے لیے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (۱) اگر کوئی احسان کرے تو گو محسن حقیقی تو حق تعالیٰ ہی ہیں اس لیے اصل شکر تو ان کا ہونا چاہئے مگر یہ ظاہری محسن درمیان میں واسطہ تو ہے اس لیے اس کا بھی شکر کرنا چاہیے۔ پھر دیکھئے شریعت نے معاملہ بواسطہ میں بھی تعدیل فرمائی ہے کہ یہ بتلادیا کہ مخلوق واسطہ تو ہے مگر ہے انہی کا بتایا ہوا۔ اس لیے یہاں بھی انتساب الی المحبوب (۲) ہی سبب شکر ومحبت کا ہونا چاہیے اور اس کو بھی مرآت جمال حق (۳) بنانا چاہیے۔ یہ نہیں کہ اسی کا عاشق ہوجائے اور اس کو مستقل سمجھ لیا جائے۔

مشاہدہ حق کے مختلف پہلو

یہاں ایک دقیقہ ہے جسے صوفیاء نے سمجھا ہے۔ وہ یہ کہ محبوبوں کی عادت ہے کہ کبھی بے حجاب ہو کے جمال دکھاتے ہیں اور کبھی باریک پردہ چہرہ پر ڈال لیتے ہیں کہ خفیف سی جھلک عاشق کو دکھلائی دے۔ اسی عادت کے موافق سمجھو کہ جس وقت دوسرے کے واسطے سے کوئی احسان ہوتا ہے اس وقت بھی حق تعالیٰ ہی کی تجلی ہورہی ہے مگر چلمن کے پیچھے سے یا نقاب کے اندر سے اور اس میں بھی ایک لطیف حکمت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ناسوتی استعداد کے اقتضاء سے ایک ہی طرح کی تجلی عاشق کے جذبات محبت بھڑکانے کو کافی نہیں بلکہ گونا گوں تجلیات سے اس کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں مشاھدۃ الابرار بین التجلی والاستتار ''عارفین کا مشاہدہ تجلی اور استتار کے درمیان ہوتا ہے'' یہاں مقابلہ کی وجہ سے دوسری تجلی کو استتار کہا کہ اس کے سامنے وہ استتار ہی معلوم ہوتا ہے ورنہ تجلی وہ بھی ہے گو خفیف ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ ایک مرتبہ تو بلا آئینہ کے کے جمال دکھاتے ہیں اور ایک مرتبہ آئینہ کے اندر سے دکھلاتے ہیں جس میں راز یہ ہے

(۱) مجمع الزوائد للہیثمی: ۸/ ۱۸۱ (۲) محبوب کی طرف منسوب ہونا ہی شکر کا باعث ہونا چاہئے (۳) جمال حق کے اظہار کا آئینہ۔

کہ انسان اسی ناسوتی استعداد کی خاصیت سے ایک حالت سے اکتا جاتا ہے اگر یہ استتار یا غیبت بالکل نہ ہوتی تو دوام تجلی کا لطف ہی برباد ہوجاتا ہے۔

از دست ہجر یار شکایت نمی کنم گرنیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور(۱)

تو حق تعالیٰ نے واسطہ کے ذریعے سے سالک کا مزہ بڑھادیا اور یہاں اور تفریع کرتا ہوں کہ اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ جو مزے تصور کے ہیں وہ شریعت ہی کی بدولت ہیں۔ یہ بات بھی شریعت ہی کی بدولت تو معلوم ہوئی کہ یہ وسائط مرایا جمال حق (۲) کے ہیں۔ ان کا بھی حق ادا کرنا چاہیے اور اس واسطہ سے بھی مشاہدہ کی لذت حاصل کرنا چاہیے۔

امالہ کی ضرورت

اب جو لوگ ان وسائط کو درمیان سے اڑانا چاہتے ہیں اور ہر وقت تجلی بلاواسطہ کے طالب ہیں وہ لذت مشاہدہ سے محروم ہیں۔ اسی واسطے جو لوگ کثرت سے سماع سنتے ہیں اور انہیں کچھ مزہ نہیں آتا کیونکہ اب وہ بدوں سماع کے چل نہیں سکتے نہ ان کو نماز میں لطف آتا ہے نہ ذکر میں اور بزرگوں نے جو ایسا کیا ہے اس کے لیے کچھ شرائط مقرر کردیتے ہیں اور مقصود شرائط کا یہ ہے کہ تقلیل ہو اور تقلیل سے مزہ آوے ورنہ روز کی دال روٹی میں کیا مزہ اور اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ تقلیل کے ساتھ علی الاطلاق اجازت ہے خود اس میں بھی شرائط ہیں جن کی حکمت علاوہ تقلیل کے دوسری مضرتوں (۳) سے بچانا بھی ہے جو فاقد شرائط میں مرتب ہوجاتی ہیں۔ مقصود مقام کا یہ ہے کہ کثرت سماع میں اگر بالفرض مضرتیں بھی نہ ہوتیں تب بھی اس لیے واجب الترک تھا کہ یہی مصلحت ہے سماع میں وہ اس میں نہیں پائی جاتی۔

خیر یہ تو تفریح تھی حکمت واسطہ پر، مقصود یہ کہنا ہے کہ ظاہر محسن واسطہ ہے باقی اصل میں سارے کمالات حقیقتاً انہی کے ہیں۔ اس لیے بندہ جس سے جس کمال کی وجہ

(۱) ''محبوب کی جدائی کی شکایت نہیں اگر جدائی نہ ہوتی تو لطف میں وصل ولذت نہ ہوتی'' (۲) جمالِ حق کے آئینے میں (۳) دوسرے نقصانات

سے بھی محبت کر رہا ہے حقیقت میں وہ انہی سے محبت ہے۔ پھر محبت حق کے حاصل کرنے کو جو طرق (۱) بتلائے جاتے ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ محبت تو اس شخص کو خدا تعالیٰ کے ساتھ پہلے سے ہے صرف امالہ (۲) کی ضرورت ہے اور اس امالہ کے لیے وہی دستور العمل ہے جو میں نے اوپر بتایا ہے اسے کر لیجئے اور حیات طیبہ لے لیجئے۔

اہل اللہ سے تعلق

اس میں ایک جزو اہل اللہ سے تعلق رکھنا بھی ہے اس کا ایک حق ضروری بھی بتلاتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب اہل اللہ کے یہاں پہنچا جائے تو وظیفہ و مطالعہ کو الگ کیجئے مگر ضروریات دین کو الگ نہ کیجئے اور اب جو وہ دیں اسے لیجئے اور بالکل ان کے یہاں ایسے ہو جایئے۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو(۳)

ہاں یہ شرط ہے کہ وہ مرد کامل ہو مرد کاہل نہ ہو اور پھر مرد ہو مردہ نہ ہو کیونکہ مردہ تو خود ہی پامال ہو رہا ہے وہ آپ کو کیا پامال کرے گا۔ اسی واسطے حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

عالمت خفتہ وتو ہم خفتہ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار(۴)

پیر جی بنایا تو وہ بھی خفتہ، اب یہ مرید کیسے بیدار ہوگا، اور شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس شعر کو رد کیا ہے:

باطل است آنچہ مدعی گوید خفتہ را خفتہ کے کند بیدار(۵)

اس سے غرض شعر کا رد کرنا مقصود نہیں بلکہ ظاہر شعر سے احتمال تھا کہ کسی کے احتمال کرنے کا کہ ہمارے علماء بے عمل ہیں، اس لیے ہم ان کا اتباع نہیں کرتے اس کو رد فرماتے ہیں، چنانچہ شیخ کا شعر سابق اس کا قرینہ ہے۔

---

(۱) جو طریقے (۲) اس کو پھیر دینے کی ضرورت ہے (۳) ''قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ'' (۴) ''پیر تمہارا سویا ہوا ہے اور تم بھی سوئے ہوئے ہو سوئے ہوئے کو بیدار نہیں کر سکتا'' (۵) ''یہ جو مدعی کہتا ہے سوئے ہوئے کو سویا ہوا کب بیدار کر سکتا ہے باطل ہے''

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ور نبشت است پند بر دیوار(۱)

میری غرض بھی اس کے لانے سے یہ ہے کہ صاحب تاثیر سے تعلق پیدا کرنا چاہیے کہ زیادہ نفع ہو۔ اب اس کی تحقیق باقی رہی کہ اس مرد کامل کی پہچان کیا ہے سو اس سے پہلے جلسہ میں شیخ کامل کی علامات بتا چکا ہوں۔ اگر وہ علامات نہ ہوں گی تو پھر پیر المات ہی المات ہیں۔ تو تم بھی المات میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ یہاں تک یہ سب بیان معبود کے حقوق اور ان حقوق کی تحصیل و تکمیل کے طریقہ کے متعلق۔

حقوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اب ایک مضمون جو اس کا تتمہ ہے باقی رہ گیا ہے اور وہ حقوق ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور گو اب اس کا وقت نہیں رہا مگر دس منٹ میں اس کے متعلق کچھ کہے دیتا ہوں وہ یہ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نائب کامل اور مظہر اتم ہیں۔ حضرت حق کے اور اس سے زیادہ آپ ﷺ کا ہم پر کیا احسان ہوگا کہ ہم کو دین ملا آپ ﷺ ہی کی بدولت اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ'' اور اس کلیہ کے علاوہ خود مستقل حقوق بھی جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن میں آئے ہیں اور وہ مثل حقوق الٰہیہ کے تین ہی حقوق ہیں۔

(۱) اطاعت (۲) محبت (۳) عظمت

چنانچہ مختصراً و مخلطاً (۱) مع بعض فروع کے ان کو عرض کرتا ہوں۔ مثلاً ایک نوع حق محبت کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کا دل دکھانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ الایۃ وغیرھا من الآیات(۲) اس پر ایک تفریع کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ پر اُمتوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہماری بداعمالیوں سے جبکہ ملائکہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کرتے ہوں گے آپ ﷺ کا کتنا دل دکھتا ہوگا تو اس سے کس قدر

(۱) ''آدمی کو ایسا ہونا چاہئے کہ نصیحت کی بات اگر دیوار پر بھی لکھی ہو تو اس کو بھی حاصل کرے'' (۲) اختصار کے ساتھ جس میں کچھ فروع کا بیان بھی ہے ذکر کرتا ہوں (۲) ''تمہیں رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہیں دینی چاہیے''

احتراز لازم ہوگا۔

عظمت کے متعلق آپ کا یہ حق وارد ہے کہ لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۱) اور اسی باب میں فرماتے ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (۲) آپ ﷺ کے آگے چیخ کر مت بولو۔ اور اسی طرح ارشاد ہے: وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (۳) آگے فرماتے ہیں: إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ (۴)۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ کچھ دیہاتی بے وقوف آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زنانہ میں تشریف رکھتے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کون سے قطعہ میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک ایک آدمی ایک ایک حجرہ کے مقابل کھڑے ہوکر پکارے کہیں تو سن لیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے انہیں آیت بالا میں ڈانٹا اور اس کی یہ اصلاح فرمائی کہ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ یعنی اگر ذرا دیر اور ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ آپ ﷺ خود ہی باہر تشریف لے آتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یعنی انہیں کیا حق ہے کہ اس طرح حضور ﷺ کو پکاریں۔

اس مقام پر میں حضرات سامعین سے تفریعاً وتفریحاً ایک سوال کرتا ہوں کہ جب حجرہ کے باہر سے آپ کو پکارنا جائز نہیں تو ہندوستان سے پکارنا کب جائز ہوگا، میں فتویٰ نہیں دیتا آپ سے پوچھتا ہوں۔ یہ تو عظمت کا کچھ مضمون تھا۔ اسی طرح جیسے حق تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے ویسی ہی آپ ﷺ کی بھی فرض ہے اور اسی طرح جیسے حق تعالیٰ

(۱) ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو'' سورۃ الحجرات: ۱ (۲) ''اے ایمان والوں تم اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو'' سورۃ الحجرات: ۲ (۳) ''یعنی معمولی طور سے آپ کو پکارو مت، کبھی ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہوجاویں'' سورت الحجرات: ۲ (۴) ''یعنی جو لوگ حجروں کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں'' سورۃ الحجرات: ۴۔۵

کی محبت فرض ہے ویسی ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فرض ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک سب سے زائد محبوب نہ ہوجاؤں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زائد محبت ہے بجز اپنے نفس کے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اپنے نفس سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ کروگے مومن نہ ہوگے۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ اب نفس سے بھی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: کہ بس اب مومن بھی ہو۔ خیر اس حدیث کی ایک شرح بھی ہے جس کا اب وقت نہیں ہے مگر اتنا سنا دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجاوے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت ہونا چاہیے۔ اگر طبعی نہ ہو تو عقلی تو ہونا چاہیے۔

ہماری حالت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حقوق کی بجا آوری میں بھی عام کوتاہی ہورہی ہے۔ حتٰی کہ جو لوگ آپ کے حقوق کو بزعم خود ادا کررہے ہیں وہ بھی کوتاہی سے بری نہیں اور وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تین حق ہیں مطاوعت (۱)، عظمت، محبت جن کا اوپر بیان ہوا ہے ان میں اکثر لوگوں نے تجزیہ کررکھا ہے۔ سو بعض نے تو صرف مطاوعت کو لے لیا ہے مگر محبت وعظمت کے حقوق کو چھوڑ دیا ہے۔ باقی بعض جگہ یہ بھی ہوا ہے کہ واقع میں تو نہیں چھوڑا ہے لیکن دوسرے لوگوں نے اپنی سوءفہمی (۲) سے اسے زبردستی سے موہم گستاخی کا بنالیا تو اس کا ذکر نہیں اور اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ ایسے اعتراض تو لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر بھی کیے ہیں کہ ہائے اللہ تعالیٰ قرآن میں مکھی مچھر کا ذکر کرتے ہیں جو حقیر چیزیں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے اور بعض نے یہ کیا کہ محبت کا دم تو بھرتے ہیں مگر مطاوعت اور عظمت کو بالکل ہی اڑا دیا ہے کہ نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ دین کے اور کام اور گمان یہ ہے کہ نری محبت سے نجات ہوجاوے گی اور یہ شعر یاد کرلیا ہے

(۱) اطاعت کرنا (۲) کم سمجھی

نماند بعصیاں کسے در گرد کہ دارد چنیں سید پیش رد(۱)

حالانکہ اس کے ساتھ قرآن کی یہ آیت بھی ملانا چاہیے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (۲) اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کے بدلہ میں قید حبس ہوگی۔ ہاں اتنا ضروری ہے کہ مومن اخیر تک محبوس عذاب میں نہیں رہے گا۔ شفاعت سے کسی وقت نجات ہوجائے گی تو کیا جہنم کی تھوڑی سی قید آپ کو گوارہ ہے۔ صاحبو! وہاں کا عذاب تحمل سے باہر ہے۔

محبت کے لیے اطاعت لازمی ہے

اس کے علاوہ خود دعوائے محبت ہی کے متعلق کہتا ہوں کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی سے محبت ہو اور اس کی اطاعت نہ ہو۔ ایک شخص سے محبت کا تو دعویٰ مگر نہ اس سے بات کرتے ہیں نہ اس کی طرف دیکھتے ہیں نہ اس سے مصافحہ کرتے ہیں، کسی نے کہا ارے یہ کیسی محبت ہے تو کہا پاک محبت ہے، تو کیا کوئی کہے گا کہ اسے محبت ہے ہرگز نہیں کیونکہ محبت کے لیے تو لازم ہے اقتراب (۳) اور یہ شخص اسباب بعد (۴) میں مبتلا ہے بلکہ از خود ان اسباب کو اختیار کر رہا ہے۔ پھر محبت کیسی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہو اور اطاعت نہ کی جاوے تو یہ کیسی محبت ہے۔

فرض کرو ایک محبِ سے کسی محبوب نے کہا کہ دو روپیہ کے آم لے آؤ، اس نے کہا صاحب میں تو نہ لاؤں گا کیونکہ اتنی دیر تک آپ کو کیسے دیکھوں گا، ہر شخص یہی کہے گا کہ بس معلوم ہوا کہ یہ محبّ ہی نہیں ورنہ اطاعت کرتا اور فوراً چل دیتا کیونکہ محبّ کا تو یہ مذہب ہوتا ہے۔

اريد وصاله ويريد هجرى فاترك ما اريد لما يريد(۵)

اسی کا ترجمہ حضرت حافظ کرتے ہیں:

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تا برآید کار دوست (۶)

(۱) ''گناہوں کی وجہ سے وہ شخص نہیں رہے گا جو آپ جیسا سردار رکھتا ہو'' (۲) سورۃ المدثر: ۳۸ (۳) قرب حاصل کرنا (۴) دوری کے اسباب (۵) ''میں محبوب کے وصال کا خواہاں ہوں اور وہ ہجر کے خواہاں ہیں پس میں نے اپنی خواہش کو ان کی خواہش کی وجہ سے ترک کر دیا'' (۶) ''میری خواہش وصال کی ہے محبوب فراق کا خواہشمند ہے میں نے اپنی خواہش ترک کر دیا تا کہ محبوب کی خواہش پوری ہو''

یعنی مجھے اپنی مرضی کو محبوب کی مرضی کے آگے فنا کر دینا چاہیے۔ اگرچہ قرب بھی ہو چنانچہ ارشاد ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۱) اور حدیث میں ہے ''اقرب مایکون العبد حین یسجد نی فی الصلوۃ'' (۲) یعنی سب سے افضل حالت قرب کی سجدہ ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم نماز سے غافل، تو یہ کیسی محبت ہے کہ محبوب تو آپ کو اپنے سے قریب کرنا چاہیے اور آپ اس سے دور ہونا چاہتے ہیں۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں:

تعصی الرسول وانت تظهر حبه هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبك صادقا لاطعته ان المحب لمن یحب مطیع (۳)

بعض لوگوں کی کوتاہی

اور بعض نے محبت اور مطاوعت دونوں کو اُڑا دیا، صرف تعظیم ہی لے لی اور وہ بھی اپنی طرف سے گھڑ کر جو واقع میں تعظیم بھی نہیں اور یہ ان لوگوں نے کیا ہے جنہوں نے آج کل حضور ﷺ کی خاص طرز کی سوانح عمریاں لکھی ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ کے خلفاء میں اعلیٰ انتظام سلطنت کا ثابت کیا اور اپنے نزدیک آپ کی بڑی شان ظاہر کی مگر کمی یہ کی ہے کہ سلطان اور ملک دونوں کی حیثیت سے تو آپ کی عظمت بتائی مگر نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں بتائی۔ معلوم ہوا کہ وہ آپ ﷺ کی عظمت محض سلطنت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اصل شان آپ ﷺ کی نبوت ہی ہے اور سلطنت تو تابع ہے اور پھر اس پر ناز بھی ہے کہ ہم نے ایسی سیرت لکھی اور ویسی لکھی اور کہتے ہیں کہ علماء کو تاریخ لکھنا نہیں آتی۔ واقعی سچ ہے ایسی تاریخ لکھنا تو بے شک ہم کو نہیں آتی، ہمارا تو یہ کام ہے:

ما قصۂ سکندر ودارا نہ خواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس (۴)

عجیب وغریب نکتہ

اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ بادشاہ بھی ہیں مگر اصل صفت آپ کی نبوت

(۱) ''اور نماز پڑھتے رہئے اور قرب حاصل کرتے رہیئے'' سورۃ العلق: ۱۹ (۲) الصحیح لمسلم کتاب الصلوٰۃ: ۲۱۵، مشکوٰۃ المصابیح ۸۹۴ (۲) ''تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے اور آپ کی محبت کا اظہار کرتا ہے یہ بات تو نادر ہے اگر تیری محبت سچی ہوتی تو آپ کی اطاعت کرتا اس لیے محب جس کو محبوب پسند کرے اس کی اطاعت کرتا ہے'' (۴) ''ہم نے دارا اور سکندر کے قصے نہیں پڑھے ہم نے سوائے عشق ومحبت کی باتوں کے کچھ نہیں پڑھا''

ہے اور سلطنت تو اس کے تابع ہے یعنی وہ بھی محض اس واسطے عطا ہوئی تا کہ اس سے اغراض نبوت کی تکمیل ہو ورنہ آپ ﷺ کا اصل جو ہر تو یہ ہے کہ ''کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد''(۱) کہ میں اس وقت نبی تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسد کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا۔ روح بھی اس میں نہ آئی تھی اور اسی طرح اصل کمال آپ ﷺ کا یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سو آپ کا اصل کمال یہ ہوا کہ حضور ﷺ سب سے پہلے بھی نبی ہیں اور سب کے آخر بھی، کسی نے اولیت وآخریت میں نکتہ خوب نکالا ہے:

پیش از ہمہ شاہاں غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ از راہ دور آمدۂ(۲)

واقعی نکتہ ہے عجیب وغریب کہ آپ ﷺ چونکہ بہت دور سے آرہے ہیں اس لیے آنے میں اتنی دیر لگی۔ دوسرے انبیاء مسافت قریبہ سے آئے ہیں اس لیے جلدی آگئے۔ ان کو علمی دلیل نہ سمجھے۔ نشاط کے لیے لطیفہ کے طور پر بیان کر دیا ہے۔

خلفائے راشدین کی فضیلت

اس پر حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق بعض نکات یاد آگئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے ''خیر القرون قرنی''(۳) لفظ قرنی میں نکتہ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے زمانہ خلافت نبوت کی طرف کیونکہ خلفاء اربعہ کے نام کے آخری حروف میں بہ ترتیب آگئے ہیں۔ یعنی صدیقؓ کا ''ق'' اور عمرؓ کی ''را'' اور عثمانؓ کا ''ن'' اور علیؓ کی ''ی'' اور ایک نکتہ اردو میں بھی کسی نے نظم کیا ہے۔

ابوبکر یکسو علی ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں با صد صفائی
الف اور کی طرح ان کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ میں الف اور ی نے یہ ترتیب پائی
وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا یہ آخری خلیفہ کے آخر میں آئی

(۱) ''میں ﷺ اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام جسم اور روح کے درمیان تھے'' (۲) ''پہلے تمام بادشاہوں سے آپ ﷺ غیور آپ ہر چند ظہور میں آئے، اے ختم رسل ﷺ آپ کا قرب تو مجھ کو معلوم ہے، دیر میں آئے دور راستے سے آئے'' (۳) سنن الترمذی: ۲۳۰۲۔

بھلا کوئی شعر کہے ایسے تو کہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہی سے مقصود

غرض بادشاہی سے اغراض نبوت کی تکمیل مقصود تھی وہ خود مقصود نہ تھی اور وہ نبوت کی غرض اصلاح خلق ہے اور اصلاح خلق دوصورتوں سے ہوسکتی ہے۔ ایک حکومت سے دوسرے عقیدت سے یعنی ایک تو یہ کہ بادشاہ کی عقیدت ہے کہ لوگ اسے بزرگ اور نیک سمجھ کر بڑا مانتے ہیں اور ایک یہ کہ اگر نہ مانیں گے تو تلوار کے زور سے منوایا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب حق تعالیٰ نے اصلاح خلق کے لیے بھیجا تو دونوں قوتیں آپ میں جمع کردیں کہ جو اہل بصیرت ہیں وہ تو عقیدت سے مانیں گے اور آپ کے کمالات ذاتیہ کو پہچانیں گے اور جو اہل بصیرت نہیں ہیں وہ تلوار کے زور سے مانیں گے کیونکہ تلوار بھی بڑا وعظ ہے۔ ہمارے استاد رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:

الوعظ ینفع بالعلم والحکم والسیف ابلغ وعاظ علی القمم(۱)

کہ سب سے بڑی وعظ تو تلوار ہے۔ یہ شعر مولانا محمد یعقوب صاحب کا ہے اور قرآن میں اس کا ماخذ یہ آیت ہے: لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ(۲) اس کی تفسیر میں ہمارے مولانا فرمایا کرتے تھے۔ حدید سے مراد ہے نعلدار جوتا (یعنی فیہ باس شدید کی صفت کے اعتبار سے سلاح مراد ہے جس کی تعبیر اہل محاورہ اس عنوان سے کیا کرتے ہیں کیونکہ جو فہیم کم ہوتے ہیں ان کے لیے جوتا کی بھی ضرورت ہے۔

سیرت کی صورت

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نبوت کی بھی شان ہے اور سلطنت کی بھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سیرت نبویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات سلطنت بیان نہ کیے جائیں۔ آپ

(۱) ''نصیحت اگر علم وحکمت کے ساتھ ہو تو نفع پہنچاتی ہے اور تلوار سروں پر پڑی نصیحت گروں میں سب سے بلیغ نصیحت گر ہے'' (۲) ''ہم نے اپنے پیغمبروں (علیہم السلام) کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے'' سورۃ الحدید: ۲۵۔

سلطنت کی شان ضرور بیان کیجئے مگر کتاب کے دو باب کیجئے۔ ایک میں سلطنت کی شان بیان کیجئے اور ایک میں نبوت کی۔ جب نبوت کا ذکر ہی نہیں تو اب تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ جو دعویٰ ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پہچانی یہ بالکل غلط ہے۔ آپ نے عظمت پہچانی تو مگر ادھوری اور نامکمل۔

اسی طرح ایک صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری لکھی کہ اس کے دیکھنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری ہے بلکہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اس میں چھپالیا جاوے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوشیرواں کی یا کسی بڑے مدبر و منتظم بادشاہ کی سوانح عمری ہے کیونکہ اس میں اس کا پتہ ہی نہیں کہ آپ کا تقویٰ کس درجہ کا تھا۔ دین سے آپ کو کس درجہ الفت تھی، آپ کا زہد، آپ کی ریاضت اور خلق اور شدت علی الکفار اور کرامات وغیرہ کس شان کی تھیں۔ غرض کسی چیز کا پتہ نہیں بس صرف انتظام تمدن کو لیے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اتنے بڑے بڑے کمالات کے ہوتے ہوئے صرف سیاست مدن کی تعریف کرنا ایسا ہے۔

شاہ را گوید کسے جولاہا نیست ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

یعنی جیسے بادشاہ کی تعریف میں یہ کہنا کہ یہ بہت بڑے آدمی ہیں کیونکہ جولاہے نہیں ہیں تو اس درجہ کی ہیں یہ سوانح عمریاں۔

خلاصہ یہ کہ مطاوعت، عظمت و محبت یہ تینوں حقوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادا کرنا چاہیں اور آپ سے اول حق تعالیٰ کے یہی حقوق مگر محققین سے اور ان کی کتابوں سے معلوم ہوگا کہ مطاوعت، عظمت و محبت کی حقیقت کیا ہے تو اپنی طرف سے ان کی تفسیر نہ گھڑنا وہی بتائیں گے اور جنہیں آپ نے عظمت و محبت وغیرہ سمجھ رکھا ہے ان کی حالت آپ کو بھی معلوم ہو چکی ہے کہ واقع میں وہ مطاوعت و عظمت و محبت نہیں ہیں۔ بہر حال آپ کے ظاہری و باطنی دونوں قسم کے حقوق کو جمع کرو اور اس جمع کے طریق کو کسی ایسے محقق سے حاصل کرو جس کی جامعیت کی خود یہ شان ہو۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسنداں باختن (۱)

اور یہ طریق جمع کا حاصل کرنا یا تو محققین کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اگر زماناً ومکاناً قریب ہوں یا ان کی حکایات وملفوظات کے مطالعہ سے اگر زماناً بعد ہو یا ان سے خط وکتابت سے اگر مکاناً بعد ہو۔

شان نبوت کے مظاہر

اب ایک بات اور رہ گئی اور اس کے بعد ختم کردوں گا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوشانیں ہیں۔ ایک شان سلطنت، دوسری شان نبوت اور دونوں کے حقوق ہیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو پردہ میں ہیں مگر آپ کی دونوں شانوں کے مظاہر موجود ہیں۔ چنانچہ شان نبوت کے مظاہر حضرات صوفیاء کرام وعلماء ہیں اور شان سلطنت کے مظاہر مسلمان عادل بادشاہ ہیں۔ اس واسطے مظاہر ہونے کی حیثیت سے ان دونوں جماعتوں کے حقوق ادا کرنا بھی تتمہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کا۔ پس ہم کو ان کے حقوق بھی ادا کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیبت (۲) ظاہری کے بعد انہیں غنیمت سمجھنا چاہیے۔ بقول مولانا:

چونکہ شد خورشید مارا کرد داغ چارہ نبود در مقاش جز چراغ

یعنی خورشید تو چھپ گیا ہے تو اب بجز چراغ کے اور کیا چارہ ہے۔ پس علماء کا حق یہ ہے کہ ان سے دین کے احکام کو پوچھا جائے اور یہ حق علماء کا مسلمان بادشاہوں پر بھی فرض ہے کہ ان کو بھی اپنے احکام جاری کرنے سے قبل علماء سے استفتاء کرنا چاہئے اور مسلمان بادشاہوں کا حق یہ ہے کہ امور انتظامیہ میں ان کی اطاعت کی جاوے حتی کہ علماء کے ذمہ ہے ان امور میں ان کی بقاء کی اور ان کی نصرت کی دعا کریں اور یہ بھی دعا کریں کہ حق تعالیٰ ان دونوں کو اپنے اپنے مناصب ادا کرنے کی توفیق دے۔ یعنی یہ دعا کریں کہ حق تعالیٰ علماء سے دین کی خدمت لے اور سلاطین کو اُمت پر رحیم وشفیق بناوے اور اپنے لیے یہ دعا کریں کہ حق تعالیٰ انہیں دونوں جماعتوں کی برکات سے منتفع

(۱) ''ادھر شریعت کا خیال، ادھر عشق کا خیال اور عشق کے مقتضی پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے''

(۲) ظاہری پوشیدگی۔

کرے۔ آمین (تمام جماعت کے ساتھ عامہ مسلمین وعلماء وسلاطین خصوصی مقامی بادشاہ کے لیے فلاہ دنیا ودین کے لیے دعا کی گئی اور جلسہ ختم ہوا)

مسئلہ ندا من البعید

اس مقام پر حضرات سامعین سے تفریعاً وتفریحاً ایک سوال کرتا ہوں کہ جب حجرہ کے باہر پاس سے آپ ﷺ کو پکارنا جائز نہیں تو ہندوستان سے پکارنا کب جائز ہوگا۔ میں فتویٰ نہیں دیتا آپ سے پوچھتا ہوں۔

اقول: اس مضمون کے متعلق وعظ کے بعد ایک صاحب خوش فہم نے بلدہ ہی مجھ سے ایک سوال تقریر اور ایک ذی علم نے بعد واپسی وطن میرے ایک رفیق سفر سے ایک خیال کا اظہار تحریراً کیا۔ دونوں کو مع جواب افادہ ناظرین کے لیے نقل کرتا ہوں۔ سوال تقریری جس کے الفاظ بعد زمان کے سبب یاد نہیں معنی یہ تھے کہ یہ استدلال کس درجہ کا ہے؟

جواب: اس وقت غالباً اتنا عرض کیا تھا کہ عام لوگوں کی سہولت فہم کے لیے اس وقت ایک لطیفہ کے عنوان سے کہہ دیا گیا تھا۔ بعد میں اس کی تکمیل کردی جاوے گی۔ چنانچہ اس وقت اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں۔

تحقیق اس مضمون کی یہ ہے کہ نداء مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ (۱) سے نہی کی علت صرف یہی ہے کہ ندا کمال ادب کے خلاف ہے اور ظاہر ہے کہ اس نداء کا کمال ادب کے خلاف ہونا ایسا جلی تھا کہ اعراب کی عقول (۲) بدون تنبیہ یا تامل کے اس کا ادراک کر سکتے اور نہ کسی نص سے اس پر دلالت کی گئی تھی۔ باوجود اس کے اس کو مذموم (۳) اور اس کے فاعل کو ملوم (۴) قرار دیا گیا اور نداء من البعید (۵) جس اعتقاد اور قصد سے اکثر عوام میں شائع ہے (۶)۔ وہ یہ کہ آپ کو لزوماً اطلاع بھی ہوجاتی ہے اور آپ اس کی اجابت اور منادی کی اعانت بھی فرماتے ہیں۔ اس سے نہی صریح (۷) وارد

(۱) ''حجروں کے باہر سے پکارنے کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ یہ کمال ادب کے خلاف ہے سورۃ الحجرات: ۴ (۲) اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں عقل سے معلوم ہوجاتا ہے (۳) برا (۴) ایسا کرنے والے پر ملامت کی گئی (۵) حضور ﷺ کو دور سے پکارنا (۶) عوام کا اعتقاد وارادہ ہے کہ آپ کو اطلاع ہوتی ہے (۷) اس کے بارے میں صریح ممانعت ہے۔

ہے تو یہ منہی عنہ ہونے میں اس سے اشد واثقل ہوا(۱)۔ پھر جب اخف کو جائز نہیں رکھا گیا تو اشد و اثقل کیسے جائز ہو جاوے گا۔ سو حاصل اس مضمون کا استدلال بدلالۃ النص ہے جیسے حرمت تافیف سے حرمت ضرب وشتم (۲) پر استدلال کیا جاتا ہے۔ پس معنون مضمون لمی و برہانی ہے گو عنوان بصورت لطیفہ ہونے کے سبب خطابی ہے۔

خیال تحریری: یہ ایک خط ہے جو بعینہ درج کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنے کی چند جائز صورتیں

مولوی صاحب السلام علیکم! فدوی نے بلدہ میں جناب سے نیاز حاصل کیا ہے اور حضرت اقدس کے جملہ مواعظ کی مجلسوں میں شرکت حاصل کر کے مستفید ہوا اور اب اس وقت اپنے وطن میں آچکا ہوں۔ بلدہ میں آپ کی روانگی کے بعد مجھ سے ایک مولوی صاحب کی ملاقات ہوئی۔ غالباً وہ مولوی صاحب بغداد کی طرف کے باشندہ ہیں مگر عرصہ سے بلدہ میں مقیم ہیں اور حضرت اقدس سے ایک وقت ملاقات کی تھی اور دونوں وعظ میں بھی شریک تھے، اچھے عالم ہیں محقق و موحد معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا کے ثناء خواں ہیں مگر انوار العلوم نام پلی میں جو وعظ ہوا اس کے آخری حصہ میں مولانا نے فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہندوستان سے پکارنا بے ادبی ہے یا نہیں؟ اس پر غور کریں، میں فتویٰ تو نہیں دیتا، اس پر وہ مولوی صاحب میرے سے یہ تذکرہ فرما رہے تھے کہ اس تمام پر کچھ تشریح ہو جاتی تو بہتر تھا۔ کیونکہ بعض صورتیں پکارنے کی جائز بھی ہیں چنانچہ فرط محبت سے اگر پکارا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اس لیے اس خاکسار نے جو جرأت کر کے اس کیفیت کی اطلاع حضرت اقدس کو دی ہے (یہ مجھ کو یاد نہیں ۱۲۔ اشرف علی) اور احتیاطاً آپ سے بھی عرض کیا جاتا ہے کہ واقعی مولوی صاحب موصوف کی رائے اگر درست نہیں ہے تو خصوص بلدہ حیدر آباد کا لحاظ کرتے ہوئے منجانب کاتب وعظ یا خود حضرت اقدس کی جانب وعظ کے حاشیہ میں اس کی تشریح ہو تو مناسب و بہتر ہوگا۔

مخفی مبادکہ میں نے ایک اہل بدعت کی کتاب میں جملہ قسم ندا کے جواز کا فتویٰ دیکھا۔ مگر میں صرف مولوی صاحب مذکور کی رائے کے موافق چند جائز صورتیں درج ذیل کرتا ہوں۔ اس لیے اگر یہ صورتیں جائز ہیں یا نہیں اس کا علم مجھ کو بھی ہو جائے۔

(۱) جیسے قرآن میں ماں باپ کو اُف نہ کہنے کی ممانعت سے مارنے کی ممانعت کا علم ہو گیا (۲) مارنے پیٹنے۔

(۱) ندا بطریق تعبد ہے مثلاً کوئی شخص سورہ ’’یَـٰٓأَیُّهَا ٱلۡمُزَّمِّلُ‘‘ پڑھتا ہے تو صرف بطریق تعبد تلاوت قرآن کرتا ہے’’ یاالتحیات‘‘ میں بھی بطریق عبادت ’’السلام علیك ایھاالنبی‘‘ جس میں عالم غیب نہیں سمجھا جاتا۔

(۲) کبھی متکلم علم بدیع وفصاحت کے قاعدہ سے شخص غائب کو فرضی طور پر دل میں حاضر تصور کرکے مخاطب کرتا ہے جیسا کہ قصیدہ بردہ وغیرہ میں ہے۔

(۳) کبھی فرط غم وفرط محبت میں اپنے عزیز یا محبوب سے ندا کی جاتی ہے۔

پہلی صورت ندا کی تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ اب رہی دوسری وتیسری صورت اگر فرضی طور پر اس طرح ندا کی جائے اور مخاطب کو دراصل حاضر وناظر یا عالم الغیب نہ سمجھے تو اس میں کیا حرج ہے۔ آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ براہ کرم مولانا کا اس میں کیا ارشاد ہے دریافت فرما کر مطلع فرمادیں یا آپ خود اپنی رائے سے مطلع فرمایئے تو نہایت مہربانی ہوگی۔ بصورت جواز اگر مصلحت معلوم ہو تو وعظ مذکور کے حاشیہ میں تشریح ہوجائے۔

جواب: یہ تفصیل صحیح ہے اوراس سے مجھ کو اتفاق ہے لیکن اس میں اتنے اضافہ کی اور ضرورت ہے کہ اگر صورت ثانیہ اور ثالثہ میں خواص کے فعل سے عوام کے فساد عقیدہ کا اندیشہ ہو تو خواص پر واجب ہے کہ عوام پر اپنے فعل کا اظہار نہ کریں۔ فقہاء حنفیہ نے اس مسئلہ کی تصریح فرمائی ہے اور اسی مصلحت سے وعظ میں اس تفصیل کا اظہار مناسب نہ تھا کہ عوام کے لیے حیلہ نہ ہوجائے۔ دوسرے یہ مضمون استطراداً بیان میں آ گیا تھا استقلالاً نہ تھا اس لیے بھی تفصیل کی طرف ذہن کو توجہ نہیں ہوئی۔ خیر اب اتفاق سے تفصیل ہوگئی۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل، انتھت الحاشیہ کتبھا اشرف علی فی اوائل شعبان ۱۳۴۴ ھجری بعد سنتین و نصف من زمان الوعظ (۱)

---

(۱) اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے (حضرت مولانا) اشرف علی کا لکھا ہوا حاشیہ یہاں مکمل ہوگیا شعبان ۱۳۴۴ھ وعظ کہنے کے ڈھائی سال بعد یہ حاشیہ لکھا گیا۔

فقط خلیل احمد تھانوی

۲۵ ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ۔ ۲۵/۶/۲۰۲۲

أخبار الجامعة

❁ مؤرخہ 22 نومبر تا 24 نومبر 2022ء بروز منگل، بدھ، جمعرات پاکستان کے تمام صوبوں میں ڈویژنل مسابقہ حفظ القرآن الکریم زیر اہتمام وفاق المدارس العربیہ پاکستان منعقد ہوئے یہ مسابقہ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں 23، 24 نومبر کو منعقد ہوا۔ جس کی تفصیل سے ان شاء اللہ العزیز آئندہ ماہ مطلع کر دیا جائے گا۔

❁ پورے پاکستان میں اس مسابقہ کی ترتیب و تنظیم کی ذمہ داری اکابرین وفاق المدارس نے حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (مدظلہ العالی) مہتمم جامعہ ہٰذا کے سپرد فرمائی۔ حضرت مہتمم صاحب (مدظلہ العالی) نے اپنی علالت وضعف کے باوجود تمام تر ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب کی عمر وصحت میں برکت نصیب فرمائیں۔

❁ 18 نومبر بروز جمعہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی قدس سرہ کا انتقال ہوا 19 نومبر بروز ہفتہ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیرِ صدارت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی اجلاس منعقد ہوا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی نے حضرت مفتی صاحب کی خدمات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ مولانا کی وفات کا یہ حادثہ صرف دارالعلوم کراچی ہی کا نقصان نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا نقصان ہے اس موقع پر تمام اساتذہ وطلباء نے قرآن کریم کی تلاوت کرکے مولانا کے لیے ایصال ثواب کرکے دعا مغفرت بھی فرمائی گئی۔

❁ حضرت قاری ڈاکٹر احمد میاں تھانوی صاحب کے حکم سے دارالعلوم کی نمائندگی کے لیے ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحبؒ کے جنازہ میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لے گئے نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے اس موقع پر فی البدیہ مفتی صاحب کی تاریخ وفات اس جملہ میں مرتب فرمائی ''آہ محبوب غریق رحمت'' جس کو 2022

حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم نے پسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ نے تو حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کی یاد دلادی۔